احادیثِ زیارت کی صحت پر ناقابلِ تردید دلائل

زیارتِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم



تصنیف:
فضیلۃ الشیخ محمود سعید ممدوح

ترجمہ:
علامہ محمد عباس رضوی

عالمی دعوتِ اسلامیہ
۱۔ فصیح روڈ، اسلامیہ پارک لاہور

زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

احادیثِ زیارت کی صحت پر ناقابلِ تردید دلائل

تصنیف :

فضیلۃ الشیخ محمود سعید ممدوح

ترجمہ :

علامہ محمد عباس رضوی

عالمی دعوتِ اسلامیہ

۱- فصیح روڈ - اسلامیہ پارک لاہور فون ، ۷۵۹۳۰۰۳

نام کتاب ——— رفع المنارہ لتخریج احادیث التوسل والزیارۃ

تصنیف ——— شیخ محمود سعید ممدوح (دبئی)

ترجمہ کا نام ——— زیارت روضۂ رسول

مترجم ——— علامہ محمد عباس رضوی (گوجرانوالہ)
ممبر مرکز تحقیقات اسلامیہ

ابتدائیہ ——— مفتی محمد خاں قادری

طابع ——— محبوب الرسول قادری

اشاعت بار اوّل ——— دسمبر ۱۹۹۷

ناشر ——— مرکز تحقیقات اسلامیہ

Marfat.com

فہرست

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

مفتی محمد خان قادری

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا	اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں
اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ	تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ	پاس آئیں پھر وہ اللہ سے
لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا	معافی مانگیں اور رسول اللہ انکے
اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا	لیئے سفارش کر دے تو وہ اللہ کو توبہ
(النساء)	قبول کرنے والا اور رحم فرمانے
	والا پائیں گے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ بارگاہ نبوی کی حاضری ہر مسلمان کے لیے عظیم نعمت وفضیلت کا درجہ رکھتی ہے خواہ وہ قریب کا رہنے والا ہو یا بعید کا،

اسکی فضیلت وجواز پر متعدد احادیث نبوی بھی عادل شاہد ہیں مثلاً،

من زار قبری	جس نے روضہ اقدس کی زیارت
وجبت له شفاعتی	کی اس کے لئے میری شفاعت
	ثابت ہو گی۔

صحابہ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کے تمام مفسرین، محدثین اور فقہاء حاضری دیتے آئے اور ہر مسلمان وہاں کی حاضری کے لئے تڑپتا اور دعا گو رہتا ہے مگر کچھ کج فہم لوگ اس کی مخالفت کرتے ہوئے کسی بات کو تسلیم

Marfat.com

کرنے کے لئے تیار نہیں، آیت مبارکہ ان کے سامنے پڑھو تو کہہ دیں گے یہ بات صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات تک مخصوص ہے وصال کے بعد یہ حکم ختم ہو گیا حالانکہ امت کے ہر مفسر قرآن نے اس حکم کو عام تسلیم کیا اور کہا یہ تا قیامت امت مسلمہ کے لیئے خوشخبری ہے،

احادیث بیان کرو تو کہیں گے یہ تمام جعلی بناوٹی اور موضوع ہیں، سب سے پہلے یہ بات شیخ ابن تیمیہ نے کہی تو ان کا رد اس وقت کے عظیم محدث امام سبکیؒ نے کیا اس موضوع پر مکمل کتاب "الشفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" تحریر کی۔ ہمارے دور میں بھی کچھ لوگوں نے زیارت کے بارے میں وارد احادیث مبارکہ پر اعتراضات اٹھائے اس کے جوابات کی اشد ضرورت تھی، اللہ تعالےٰ عرب کے مشہور محدث شیخ محمود سعید ممدوح (دبئی) کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس موضوع پر لاجواب کام کر دیا، انہوں نے صرف احادیث زیارت پر ہی کام نہیں کیا بلکہ احادیث توسل پہ بھی کام کر دیا۔ انہوں نے اس اہم موضوع پر "رفع المنارۃ لتخریج احادیث التوسل والزیارۃ" لکھ کر امت مسلمہ پر عظیم احسان کیا ہے جیسے ہی یہ کتاب مولانا حافظ عبدالکریم رضوی کے واسطہ سے بندہ کو ملی اسی وقت اس کی اشاعت و ترجمہ کا ارادہ کر لیا، علامہ محمد عباس رضوی (ممبر مرکز تحقیقات اسلامیہ) سے ذکر ہوا تو انہوں نے ترجمہ کی ذمہ داری قبول فرمائی، بڑی محنت سے بہت جلد اس کا ترجمہ کر دیا بندہ نے اسے مکمل پڑھا مرحلہ کتابت کے بعد اشاعت کا وقت آپہنچا تو اپنے عظیم دوست الحاج محمد طفیل مدنی سے بات ہوئی کہ اس کی اشاعت جلدی ہونی چاہیئے۔ تاکہ اہم فریضہ کی ادائیگی ہو جائے انہوں نے شیخ وسیم الدین، وحید الدین اور احمد نعمان سے رابطہ کر کے کتاب کی اہمیت واضح کی تو انہوں نے فی الفور اس کی طباعت کی ذمہ داری قبول کر لی،

اللہ تعالیٰ مصنف، مترجم اور معاونین کی اس خدمت کو قبول فرمائے، یاد رہے، کتاب کا زیارت والا حصہ شائع کیا جارہا ہے توسل والا ابھی باقی ہے ترجمہ کے بعد اس کی اشاعت الگ کی جائے گی۔

نوٹ:۔ عربی دان حضرات کے لیے ساتھ عربی متن بھی شائع کیا جارہا ہے۔

شیخ محمود مدظلہ کی چند دیگر تصانیف

یہاں شیخ محمود مدظلہ کی دیگر چند تصانیف کا تذکرہ بھی ضروری ہے

۱۔ تنبیہ المسلم الی تعدی الیانی علی صحیح مسلم

شیخ ناصر الدین البانی نے حدیث پر جو کام کیا اس میں جابجا تضادات کی نشاندہی مختلف اہلِ علم نے کی ہے۔ اس سلسلہ میں یہاں شیخ حسن بن علی السقاف کا کام "تناقضات الالبانی الواضحات فیما وقع لہ فی تصحیح الاحادیث وتضعیفھا من اخطاء و غلطات" قابلِ ذکر ہے وہاں شیخ محمود سعید ممدوح کا کام بصورت "تنبیہ المسلم الی تعدی الالبانی علی صحیح مسلم" نہایت ہی قابلِ داد و تحسین ہے۔

مقدمہ میں اس کتاب کی غرض و غایت یوں تحریر کرتے ہیں:

فقد وقفت علی کلام الشیخ	میں شیخ البانی کے ایسے کلام پر آگاہ
الالبانی ضعف فیہ جملۃ	ہوا جس میں انہوں نے صحیح مسلم کی
من الاحادیث التی فی (صحیح	متعدد احادیث کو ضعیف قرار دیتے
مسلم) فتکلم علیھا بما یؤکد	ہوئے ایسی گفتگو کی جس سے امام مسلم کا
خطأہ ویثبت خروجہ	کا خاطی ہونا اور ان اصولوں سے
علی ما قررہ العلماء من صحتہا	نکلنا لازم آتا ہے جو علماء کے ہاں
وتلقیھا القبول المفید	مسلم اور مقبول ہیں۔ الخ کا کلام

للعلم وكلامه يدعو الى التشكيك في صحيح الامام مسلم وفيه من الاعراب والمخالفة والتعقيب على المتقدمين ما يوهم المغترين به انه استدرك على الائمة المتقدمين كالبخاري ومسلم فضلاً من المتاخرين ــــــ وقد رأيت ان السكوت على هذا التعدي غير مقبول ويلحق العارف به الاثم لذلك كتبت هذا (التنبيه) ادفع به بعون الله تعالى كل تعديه على صحيح مسلم وقد سميته تنبيه المسلم الى تعدي الالباني على صحيح مسلم۔
(تنبیہ المسلم، ۷-۸)

صحیح امام مسلم کے بارے میں تشکیک کی دعوت دیتا ہے اور اس میں ایسی مخالفت اعراب اور متقدمین پر تعقیب ہے جو دھوکہ دینے والوں کو موقعہ فراہم کر رہی ہے کہ انہوں نے بخاری و مسلم جیسے متقدمین کی کمی کا ازالہ کیا ہے۔ متاخرین تو کسی کھاتے میں نہیں ــــــ تو میں نے محسوس کیا کہ اس زیادتی پر خاموش رہنا جائز نہیں۔ اس سے آگاہ ہونے کے باوجود رد نہ کرنا گناہ کا ذریعہ ہے لہذا میں نے اللہ کی توفیق سے البانی کی زیادتیوں پر لکھا ہے اور اس کا نام "تنبیہ المسلم علی تعدی الالبانی علی صحیح مسلم" رکھا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے اس بات کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے کہ شیخ موصوف کی علم حدیث اور اصولِ حدیث پر کتنی نظر ہے ؟

Marfat.com

۲ ۔ الاعلام باستحباب شد الرحال لزیارۃ خیر الانام

اس رسالہ اور مصنف کے بارے میں فضیلۃ الشیخ عیسٰی بن عبد اللہ بن مانع الحمیری (مدیر عام دائرۃ الاوقاف والشوون الاسلامیہ دبئی تقدیم میں لکھتے ہیں:

وھذہ رسالہ جلیلۃ
للمحدث الفاضل محمود
سعید ممدوح جزاہ
اللہ من الاسلام والمسلمین
خیر الجزاء بما ینافح
من السنۃ المطھرۃ اسماھا
(الاعلام باستحباب شد
الرحال لزیارۃ خیر الانام
علیہ افضل الصلاۃ والسلام)
جمع فیھا خلاصۃ ما قیل
فی ھذا المقام وادلی بدلوہ
لیرضی حبیبہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم و
یشفی بھا قلوب قوم مومنین
ویھدی بھا قلوب المنکرین
والمکابرین بالحجۃ الدامغۃ
والبراھین الساطعۃ ۔ (تقدیم للاعلام)

یہ محدث فاضل محمود سعید ممدوح
کا عظیم رسالہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں
اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے
جزائے خیر دے کیونکہ انہوں نے
اس سے سنتِ مطہرہ کا دفاع کیا
ہے اس کا نام انہوں نے (الاعلام
باستحباب شد الرحال لزیارۃ خیر الانام
علیہ افضل الصلاۃ والسلام) رکھا ہے
اس میں انہوں نے اس موضوع پر
دلائل کا خلاصہ بیان کر دیا ہے تاکہ
اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا
نصیب ہو۔ مومنوں کے دل سے
اس شفا پائیں اور منکرین اور مکابرین
کے دل حجتِ قاہرہ اور براہینِ ساطعہ
سے ہدایت پائیں۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ "اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے" کے نام سے علامہ ممتاز احمد سدیدی نے کیا مرکز تحقیقات اسلامیہ نے مئی ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔

۳۔ وصول التهانی باثبات سنية السبحة والرد علی الالبانی

شیخ ناصر الدین البانی نے ہاتھ میں تسبیح لے کر ذکر کو بدعت قرار دیا یہ کتاب اس کے رد میں ہے کہ یہ عمل بدعت نہیں سنت ہے۔

۴۔ حاشیہ الترجیح لحدیث صلاۃ التسبیح

کچھ لوگوں نے نماز تسبیح کے حق میں وارد شدہ احادیث کے بارے میں کہا یہ احادیث قابلِ استدلال نہیں، اس موضوع پر حافظ ابن ناصر الدین دمشقی ۸۵۲ نے مکمل کتاب "الترجیح لحدیث صلاۃ التسبیح" تحریر فرمائی یہ کتاب کافی عرصہ سے نایاب تھی شیخ محمود نے اسے تلاش کیا اور اس پر نفیس حاشیہ لکھ کر اس کی اشاعت کی۔

اللہ تعالےٰ انہیں مزید خدمتِ دین کی توفیق دے۔

اسلام کا ادنیٰ خادم

محمد خاں قادری

مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور

زیارتِ قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

ائمۂ امت

۱۔ شارحِ مسلم امام نووی

امام ابو زکریا النووی (جن کے علم و فضل پر اتفاق ہے) فرماتے ہیں :
یہ جان لینا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت اہم قربات اور نیکیوں اور کامیاب مساعی میں سے ہے۔
جب حجاج اور عمرہ کرنے والے مکہ مکرمہ سے فارغ ہو کر واپس پلٹیں تو ان کے لئے مستحب ہے کہ وہ مدینہ شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ منورہ کی زیارت کی طرف متوجہ ہوں اور زائر کو چاہیئے کہ زیارت تقرب کی نیت کرے اور اس کے طرف کجاوا کس کے یعنی قصد کر کے جائے اور اس مسجدِ نبوی میں نماز کی نیت بھی کرے۔ (المجموع شرح المہذب، ۸ : ۲۰۴)

اور ایسے ہی اپنی کتاب " الایضاح " میں مناسک حج کے ضمن میں فرمایا:
جب حجاج کرام اور عمرہ کرنے والے مکہ سے فارغ ہوں تو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ یہ بہت زیادہ قربات اور کامیاب مساعی (کوشش) ہے اور امام بزار اور دارقطنی نے اپنی اپنی سند سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من زار قبری وجبت له شفاعتی۔	جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(الایضاح ص ۲۱۴)

اور فقیہ امت ابن حجر الھیثمی نے اس حدیث پہ حاشیہ لکھتے ہوئے فرمایا:
یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حیات و وصال دونوں کو شامل ہے اور ہر مذکر و مؤنث کے لئے وہ دور سے یا قریب سے آئے ہر ایک کو شامل ہے اور اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی قبر کی طرف سفر کے مندوب ہونے اور اس کی طرف سفر کی فضیلت کے لئے استدلال کیا گیا ہے۔

(حاشیہ الایضاح صہ ۲۱۴)

۲ - امام ابن الھمام حنفی

محقق علی الاطلاق امام کمال بن الھمام حنفی "المقصد الثالث فی زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں فرماتے ہیں:
ہمارے مشائخ (احناف) نے فرمایا کہ زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم افضل مندوبات میں سے ہے۔ مناسک فارسی اور شرح المختار میں ہے کہ صاحب استطاعت پہ یہ زیارت واجب کے قریب ہے۔ پھر اس کے بعد فرمایا:
اس بندۂ ضعیف کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ محض زیارت قبر شریف کی نیت کی جائے اور جب وہاں چلا جائے تو پھر مسجد شریف کی بھی زیارت کرے یا پھر دوسری مرتبہ دونوں (قبر شریف اور مسجد شریف) کی نیت کرے کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان اور اجلال زیادہ ہے۔

(فتح القدیر ۳/۱۷۹-۱۸۰)

اور اس پہ علامہ انور شاہ کشمیری (دیوبندی) نے کہا۔
اور میرے نزدیک یہی حق ہے کیونکہ اسلاف سے ہزاروں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سامان باندھ کر اور قصد کر کے جاتے تھے اور اس کو بہت بڑی نیکیوں میں شمار کرتے تھے۔ اور ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ صرف

مسجد نبوی شریف کی زیارت کی نیت سے جاتے روضۂ اطہر کی نیت نہ کرتے تھے" باطل ہے بلکہ وہ قطعی طور پہ قبرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی نیت کرتے تھے۔

(فیض الباری شرح صحیح البخاری ۲: ۴۳۳)

ہم کہتے ہیں کہ اس کا کلام صحیح اور خوب ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ مکہ مکرمہ میں ایک لاکھ نماز کا ثواب چھوڑ کر اپنے مال و جان کو قربان کرنا اور مدینہ شریف کی طرف کرنا چہ معنی دارد؟ انہوں نے اس شہر کو کیوں چھوڑا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے۔

واللہ انکِ خیر ارض اللہ	اللہ کی قسم اے مکہ تو اللہ کی زمین سے
و احب ارض اللہ الی اللہ	افضل زمین خطہ ہے اور اللہ کے نزدیک
	تمام زمین سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

توکیا ان لوگوں نے اس شہر کو صرف مسجدِ نبوی کی زیارت کے لیے ترک کیا جیسا کہ وہ (نجدی) کہتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ جن و انس ان کی مخالفت کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ سب حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر کرتے ہیں۔

اور رد المختار شرح در المختار میں ہے:

(قولہ مندوبۃ) مصنف کا قول کہ یہ زیارت مندوب و مستحب ہے یعنی تمام مسلمانوں کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ مندوب ہے جیسا کہ "اللباب" میں ہے۔

اور مصنف کا قول (بلکہ کہا گیا ہے کہ یہ واجب ہے) اس کو شرح اللباب میں ذکر کیا گیا ہے اور کہا کہ اس کو میں نے "الدرۃ النبویۃ فی زیارۃ المصطفویۃ" میں بیان کر دیا ہے۔/

اور اسے علامہ خیر الدین الرملی نے "حاشیۃ المنح" میں ابن حجر سے ذکر

کرکے اس کی تائید کی ہے۔

ہاں "اللباب"، "فتح القدیر" اور "شرح المختار کی عبارت واضح کرتی ہے کہ صاحب وسعت پر زیارت قریب الوجوب ہے۔"

اور "فتح القدیر" میں اس کو "ما ورد فی فضل الزیارة" کے باب میں ذکر کیا اور اس کی کیفیت و آداب بیان کرتے ہوئے کافی شرح و بسط سے کام لیا گیا ہے اور ایسے ہی "شرح المختار" اور "اللباب" میں ہے۔

اور مصنف کا کہنا ..... شروع کرے:

شرح "اللباب" میں فرمایا کہ امام حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی کہ جب حج فرض ہے تو حاجی کے لئے بہتر ہے کہ وہ پہلے حج کرے پھر زیارۃ قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جائے اور اگر پہلے زیارت کرے تو بھی جائز ہے۔

(ردالمختار شرح درالمختار، ۲: ۲۵۷)

حضرت امام ملّا علی القاری فرماتے ہیں:

حنابلہ میں سے ابن تیمیہ نے سخت زیادتی کی ہے کیونکہ اس نے زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سفر کو حرام کہا ہے۔ جیسا کہ دوسروں نے افراط سے کام لیا اور کہا کہ "زیارت ایسی قربت اور نیکی ہے جو ضروریاتِ دین میں سے ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔

لیکن دوسرا مؤلف اقرب الی الصواب ہے کیونکہ جس کام کو جمیع علمائے کرام مستحب گردانیں اس کو حرام کہنا کفر ہی تو ہے اور یہ حرام کو مباح قرار دینے سے زیادہ بڑا ہے جو کہ اس باب میں متفق علیہ ہے۔

(شرح الشفاء بھامش نسیم الریاض، ۲: ۵۱۴)

حضرت امام قاضی عیاض فرماتے ہیں:

Marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنے، سلام عرض کرنے اور دعا مانگنے کا طریقہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت مسلمانوں کی سنتوں (اعمال) میں سے ایسی سنّت (عمل) ہے کہ جس پر اجماع ہے اور یہ ایسا فضیلت والا کام ہے کہ جس کی ترغیب دی گئی ہے، کے بارے میں فصل)

(الشفا، ۲ : ۴۷)

اور ایک اور جگہ (۷۵/۲) امام ابن عبد البر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

المزيارة مباحة بين الناس وواجب شد المطى الى قبره صلى الله عليه وسلم.	لوگوں کے درمیان زیارت مباح ہے (اس میں کوئی اختلاف نہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت کے لیے سفر واجب ہے۔

امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہاں واجب سے مراد مندوب کا وجوب ہے اور زیادہ ترغیب وتاکید کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ وجوب فرض کے معنوں میں نہیں ہے۔

حضرت علامہ الدردیر شرح میں فرماتے ہیں :

وندب زيارة النبي صلى الله عليه وسلم وهي من اعظم القربات	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مندوب ہے اور بہت بڑی نیکیوں میں سے ہے۔

(۲ : ۳۸۱)

حضرت امام ابو محمد بن قدامہ المقدسی محقق مذہب حنابلہ فرماتے ہیں :
نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ منورہ کی زیارت مستحب ہے کیونکہ امام دار قطنی

نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من حج فزار قبری بعد وفاتی فکانما زارنی حیاتی۔

جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری ظاہرہ زندگی میں زیارت کی۔

اور دوسری روایت میں ہے:

من زار قبری وجبت له شفاعتی۔

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہو گئی۔

پہلی روایت کے الفاظ کو اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حدثنا سعید ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاهد عن ابن عمر رضی الله عنه۔

امام احمد نے عبداللہ بن یزید بن قسیط کے حوالے سے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما من احد یسلم علی (عند قبری)[1] الا رد الله علی روحی حتی ارد علیه السلام۔

جب بھی کوئی شخص میری قبر انور کے پاس سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مبارکہ کو میری طرف متوجہ فرماتا ہے حتیٰ کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اور جب کوئی ایسا شخص حج کرے کہ جس نے پہلے کبھی حج نہ کیا ہو۔ یعنی سوائے شام

---

[1] مسند امام احمد کی روایت میں عندا قبری کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ حدیث شریف عام ہے اس پر واضح مکمل کلام فقیر کی تصنیف" العقیدۃ الصحیحۃ فی شرح حیاۃ الانبیاء" میں ملاحظہ فرمائیں۔ امرجم عفرلہ

کے راستے سے تو مدینے کے راستے سے سفر نہ کرے۔ خوف ہے کہ کہیں وہ ایسا کلام نہ کرے جو کہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کو چاہیئے کہ مکہ کا راستہ پکڑے کیونکہ وہ سفر تھوڑا ہے۔ اور وہ کسی اور مشاغل میں مشغول نہ ہو۔

اور امام عتبی سے روایت ہے کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کے پاس حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا:

السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ	اور اگر وہ جب بھی اپنی جانوں پر ظلم کر
جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ	بیٹھیں تو اے پیارے محبوب تیری بارگاہ
اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ	میں حاضر ہو جائیں اور اللہ سے بخشش طلب
لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا	کریں اور اللہ کا رسول بھی ان کے لئے
	استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا
	اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

میں گناہ گار ہوں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں۔

پھر اس نے یوں عرض کی:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ — فطاب من طیبھن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ — فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم[1]

(ترجمہ) اے زمین میں دفن ہونے والوں میں سب سے بہتر شخصیت! آپ کی خوشبو سے میدان اور فضائیں معطر ہو گئیں۔

میری جان اس قبرِ مقدسہ پہ قربان ہو جہاں آپ محوِ آرام ہیں۔ اس میں پاکیزگی اور اسی میں سراپا سخاوت و بخشش ہے۔ (اسی میں صاحب جود و کرم ہے)

---

[1] (نوٹ) یہ اشعار آج بھی مواجہ شریف کی طرف ستونوں پر لکھے ہوئے ہیں۔ والحمد للہ۔ مترجم غفرلہٗ

پھر وہ اعرابی پلٹ گیا اور میری آنکھ لگ گئی۔ پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا

یا عتبی الحق الاعرابی فبشرہ	اے عتبی جلدی کر اس اعرابی کو مل اور
ان اللہ غفر لہٗ۔	بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخشش
(المغنی ۳ : ۵۸۸ - ۵۸۹)	دیا ہے۔

حضرت امام ابوالفرج ابن قدامہ الحنبلی شرح الکبیر میں فرماتے ہیں

مسئلہ: حاجی جب حج سے فارغ ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین (صدیق و عمر) کی قبور مقدسہ کی زیارت کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت مستحب ہے کیونکہ امام دارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من حج فزار قبری بعد	جس نے حج کیا اور میری قبر انور کی زیارت
وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی!	کی میرے وصال کے بعد تو گویا اس
	نے میری ظاہری حیات میں زیارت کی۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

من زار قبری وجبت لہ	کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے
شفاعتی۔	لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

اور امام احمد نے عبداللہ بن یزید بن قسیط عن ابی ہریرہؓ کی سند سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما من احد یسلم علی عند	جب بھی کوئی شخص میری قبر کے پاس
قبری رد اللہ علی روحی حتی	مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ

اردو علیہ السلام۔ میری روح کو میری طرف متوجہ فرماتا ہے حتی کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔
(الشرح الکبیر، ۳: ۴۹۴)

اس کے بعد امام عتبی کا مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا۔

حضرت امام الشیخ منصور البھوتی کشاف القناع میں فرماتے ہیں:

فصل: جب آدمی حج سے فارغ ہو تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبور مقدسہ کی زیارت کرے کیونکہ اس سلسلہ میں حدیث وارد ہے جسے دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من حج فزار قبری بعد وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی

جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری ظاہرہ حیات میں میری زیارت کی۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے:

من زار قبری وجبت له شفاعتی۔

جس نے میرے روضہ کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

پہلی روایت کے الفاظ سعید سے مروی ہیں۔

تنبیہ

شیخ ابن نصر اللہ نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کا استحباب لازماً اس کی طرف شدِ رحال کے استحباب کو مستلزم ہوگا کیونکہ حاجی کے لئے شدِ رحال کے سوا یہ سفر ممکن نہیں ہے۔ استحبابِ زیارت کی تصریح ہی ہے۔

(کشاف القناع، ۲/۵۱۴-۵۱۵)

اور پھر اس کے بعد امام عتبی کا قصہ بیان فرمایا:

اور مقنع کے متن میں ہے کہ:-

جب حج سے فارغ ہو جائے تو حاجی کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ منور اور صاحبین کی قبور کی زیارت مستحب ہے۔

(المقنع، ۴/۲۵۸)

اور ایسے ہی "المبدع" شرح المقنع لابن مفلح "میں ہے اور اس کو شارح نے مقرر رکھا بلکہ اس پہ امام عتبی کا قصہ زیادہ کیا۔

امام ابو الحسن المرداوی فرماتے ہیں: ۲۵۸-۲۶۰

"ماتن کا قول ہے کہ وہ جب حج سے فارغ ہو جائے تو اس پہ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین کی قبور کی زیارت مستحب ہے۔"

یہی مذہب ہے اور اسی پہ اصحابِ علم و حجت متقدمین و متأخرین قائم ہیں۔

(الانصاف، ۴: ۵۳)

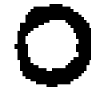
اور "زاد المستقنع مختصر المقنع" میں ہے۔

اور قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین کی قبورِ مقدسہ کی زیارت مستحب ہے۔ (الروض المربع ۱۵۲)

یہ خلاصہ ہے اس کا جو کچھ فقہاء مذاہبِ اربعہ نے مسئلہ زیارت میں بیان کیے

Marfat.com

اور اس سے معلوم ہوا کہ طلب زیارت وجوباً و ندباً پر ان سب کا اتفاق ہے۔
اور اس پر تاکید کرنے میں علماء نے سبقت کی ہے اور اس پر مسلمانوں کا عمل جاری ہے اور اہلِ عنایت کے لیے بقدر کفایت مذکور ہوا۔ اور سمجھدار اس کو تسلیم کریں گے، اس کی قدر کو پہچانیں گے اور اسی پر ٹھہریں گے۔
اور معرفتِ دلیل کا شوق رکھنے والوں کے لیے تو قائلینِ زیارت نے اپنے مطلوب پر قرآن و سنت اور اجماعِ امت سے استدلال کیا ہے۔



Marfat.com
Marfat.com

قرآنِ حکیم

اور

مسئلہ زیارتِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

دلیل کی محتاج ہو۔ تو ہم کہیں گے کہ یہاں فعل شرط کے ساتھ واقع ہوا ہے اور کتب اصول میں یہ اصول طے شدہ ہے کہ فعل جب شرط کے تحت واقع ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ فعل نکرہ کے معنی میں مصدر نکرہ کو متضمن ہوتا ہے اور نکرہ جب سیاق نفی یا سیاق شرط سے واقع ہو تو یہ عموم کے لئے موضوع ہوگا۔

(الرد المحکم المتین ، ۴۴)

پس یہ آیت شریفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر حالت میں آنے کی طلب میں نص ہے کیونکہ اس میں "جاءوک" مقام شرط میں واقع ہے جو کہ عموم پہ دلالت کرتا ہے۔

اور مفسرین کرام نے اس آیت سے عموم ہی سمجھا ہے۔ اس لئے آپ ملاحظہ کریں گے کہ انہوں نے اس آیت کے تحت امام عتبی کی حکایت بیان کی ہے۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔

علماء کی ایک جماعت کہ ان میں سے شیخ ابو النصر الصباغ ہیں، نے اپنی کتاب "الشامل" میں امام عتبی کی مشہور حکایت ذکر کی ہے کہ عتبی نے کہا:

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ پس ایک اعرابی آیا اور عرض گزار ہوا

السلام علیک یا رسول اللہ میں نے سنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

تو میں آپ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہوئے حاضر ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع بناتا ہوں۔" پھر اس اعرابی نے یہ اشعار پڑھے ؎

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ فطاب من طیبھن القاع والاکم

Marfat.com

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه ۔ فیه العفاف وفیه الجود والکرم

پھر اعرابی لوٹا اور میری آنکھوں پہ اونگھ غالب آئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ نے ارشاد فرمایا :

اے عتبی اعرابی کو مل اور اسے بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا ہے ۔[1]

---

[1] تحریف :

اس قصہ کو امام نووی (جن کی فضیلت علم پہ امت مجتمع ہے) نے اپنی کتاب "الاذکار" میں ذکر فرمایا ہے لیکن محقق نے امانت کا پٹہ گردن سے اتارتے ہوئے بہت بڑی خیانت سے کام لیا اور اس نسخہ سے اس قصہ کو ہی حذف کر دیا ۔ یہ محرف نسخہ " دارالهدیٰ" الریاض سے ۱۴۰۹ھ کو شائع ہوا ہے ۔

ان لوگوں نے صرف اسی تحریف پہ اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی اور بھی مثالیں موجود ہیں ۔ مثلاً امام نووی نے کتاب الاذکار میں ایک فصل اس عنوان سے شامل کی ہے " فصل " فی زیارۃ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واذکارھا " اعلم انه ینبغی لکل من حج ان یتوجه الی زیارۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواء کان ذلك طریقه اولم یکن فان زیارۃ صلی اللہ علیہ وسلم من اهم القربات واربح المساعی وافضل الطلبات

لیکن محقق نے تمام عبارت میں تحریف کر دی اور اپنی طرف سے یہ عبارت لکھ دی :

فصل فی زیارۃ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، اعلم انه یستحب من اراد مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر من الصلوٰۃ علیه صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی دونوں جگہ زیارت قبر اور زیارت رسول کی جگہ زیارت مسجد کر دیا ۔

اور اگر یہ حکایت سندِ صحیح سے ثابت نہ بھی ہو تو بھی کوئی بات نہیں کیونکہ بے شمار مفسرین کا اسے اس مقام پہ بیان کرنا واضح کر رہا ہے کہ یہ آیت عموم کا فائدہ دیتی ہے۔ اور "عرض اعمال" والی حدیث اس آیت کے عموم پہ استدلال کی تائید کرتی ہے۔

اور اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم وتعرض علی اعمالکم فما وجدت خیراً احمدت اللہ وما وجدت غیر ذلک استغفرت لکم۔	اے میرے غلامو! میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے اور میرا وصال بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم مجھ سے گفتگو کرتے ہو اور میں تمہارے ساتھ گفتگو کرتا ہوں۔ اور تمہارے اعمال مجھ پہ پیش ہوتے ہیں پس ان کو اگر میں بہتر پاتا ہوں تو اللہ کی حمد بیان

(تسلسل) امام نووی کی یہ عبارت تھی لیکن محقق نے عبارت میں تحریف کر کے اس طرح کر دی اور یہ تحریف (ص ۲۹۵) میں ہے۔

اللہ کے احکامات کا مذاق اڑانے والو (سنجدیو) اللہ سے ڈرو اور دیکھو یہ کس طرح باطل کے ساتھ باطل کی مدد کرتے ہیں۔ اس شخص نے باطل کی مدد کی اور امام نووی اور مذہب شافعی پہ جھوٹ باندھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

اذا لم تستحی فاصنع ما شئت — بے حیا باش ہرچہ خواہی کن

ایسے فراڈوں کی تفصیل ہمارے بھائی علامہ سید حسن بن علی السقاف باعلوی (اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے) نے اپنی کتاب "الاغاثہ" صد ۱۶ تا ۱۸ میں بیان فرمائی ہیں۔

کرتا ہوں اور اگر اس کے علاوہ پایا
تو تمہارے لئے اللہ سے بخشش طلب
کروں گا۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کا مفصل بیان اِن شَآءَ اللّٰہ آگے آرہا ہے۔
آیت میں ایسے عموم کے باوجود جس میں کوئی شک نہیں کرسکتا ابن عبدالھادی نے عجیب بات کہہ دی ہے کہ سلف و خلف نے اس آیت سے یہی سمجھا کہ صرف آپ کی ظاہری حیات میں لوگ آکر سفارش کروائیں۔ (الصارم المنکی صہ ۴۲۵)

مجھے ان کے قول پہ اتنا تعجب ہے کہ دور ہونے میں نہیں آرہا کیونکہ وہ تو سلف و خلف ہر ایک کی شہادت کی نفی میں شہادت دے رہے ہیں اور انہوں نے صرف اسلاف پہ ہی بس نہیں کیا بلکہ خلف پہ بھی تعدی کی ہے۔

لیکن جب ہم کتب تفاسیر و فقہ اور کتب مناسک کا جو کہ ہمارے سامنے ہیں مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ تمام علماء نے اس آیت کو زیارتؐ کے موقع پہ بطور دلیل ذکر کیا ہے۔

کاش ابن عبدالھادی اپنے مذہب کی ہی کتب اور فقہاء حنابلہ کا اس آیت سے استدلال ملاحظہ کر لیتے تو کبھی ایسی بات نہ کہتے لیکن سچ ہے کسی شے کی محبت اندھا اور بہرا بنادیتی ہے۔

اور صدیوں سے حجاج کرام ہمیشہ زیارت کے لئے حج سے پہلے یا بعد آرہے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں اور اس کا جواب پاتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ ابن عبدالھادی کے دعوے کے رد کے لیے تو مسلمانوں کا یہی عمل کافی ہے۔

Marfat.com

اور مسلمان پہ واجب ہے کہ وہ دلیل صحیح پہ عمل کرے اور یہ نہ دیکھے کہ اس پہ عمل کیا گیا ہے یا کہ نہیں ۔

اور اس پر عمل سے صرف اس لئے روکنا شرع پر افترا ہے

اور اس وجہ سے توقف کہ عمل نہ کرنا اس دلیل کے متعارض ہے تو یہ ان کا وہم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

فلا وربک لا یومنون حتی	اے پیارے محبوب تیرے رب کی قسم
یحکموک فیما شجر بینھم	وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ جو
ثم لا یجدوا فی انفسھم	آپ حکم فرمائیں ان کے جھگڑوں کے درمیان
حرجاً مما قضیت و	اس کو نہ مان لیں اور پھر وہ اپنے دلوں
یسلموا تسلیما ۔	میں حرج نہ پائیں جو کہ آپ فیصلہ فرمائیں
	اور یوں تسلیم کریں جیسا کہ تسلیم کرنے
	کا حق ہے ۔

کسی مسئلہ پر دلیل آجانے کے بعد یہ دیکھنا کہ اس پر عمل ہوا ہے یا نہیں ؟ سوائے ضد اور ہٹ دھرمی کے کچھ نہیں ۔

حاصل کلام یہ کہ تخصیص بغیر دلیل کے نہیں ہو سکتی اور یہاں حرف شرع میں تخصیص پر کوئی دلیل نہیں

علامہ ابوبکر المراغی کی گفتگو

اس آیت سے عموم پہ استدلال کرتے ہوئے علامہ ابوبکر المراغی نے عمدہ بات کہی کہ

"ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نیکی ہے کیونکہ اس کے بارے میں احادیث وارد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ولو انهم اذ ظلموا .... الآية

جب بھی وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ آپ کے حضور حاضر ہو جائیں اور وہ آپ کے حضور حاضر ہو جائیں اور اللہ سے بخشش طلب کریں اور رسول بھی ان کے لئے استغفار فرمائیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں گے۔

کیونکہ آپ کی تعظیم آپ کی وفات سے منقطع نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا صرف آپ کی ظاہرہ حیات کے ساتھ خاص تھا اور زیارت میں ایسے نہیں ہے کیونکہ بعض محققین علماء نے اس کا جواب دے دیا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ثواب اور رحم پانے کے لیے تین امور کے ساتھ متعلق ہے

گناہ گار کا آپ کی خدمت میں آنا، استغفار کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے استغفار فرمانا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا تو تمام مسلمانوں کے لئے ہے کیونکہ آپ تمام مسلمانوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

واستغفر لذنبك وللمؤمنين	اے پیارے محبوب استغفار کریں
والمومنات۔	اپنے لئے اور تمام مومن مرد اور عورتوں
(سورۂ محمد ، ۱۹)	کے لئے

پس جب اہل ایمان کا آپ کے پاس آنا اور آکر ان کا استغفار کرنا پایا جائے تو اب وہ تینوں امور پورے ہو گئے جو اللہ سے توبہ اور اس کے لیے ضروری تھے۔

اور تمام مسلمانوں کا زیارتِ قبور کے مستحب ہونے پہ اجماع ہے جیسا کہ امام نووی نے ذکر فرمایا اور اہل ظواہر نے تو اس کو واجب قرار دیا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی زیارت عموم وخصوص دونوں جہتوں سے مطلوب ہے جیسا کہ گذرا .... الخ۔

(ص ۲۰۲ - ۲۰۳)

اور اصل کلام امام تقی الدین السبکی کی "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" میں ہے۔

عموم آیت پر شیخ محمد بن صالح کا اعتراض

محمد بن صالح العثیمین (نجدی) نے اس آیت سے استدلال پر اعتراض کرتے ہوئے اپنے (فتاویٰ ۱/۸۹) میں لکھا ہے۔

(اذ) یہ ظرف ہے جیسا کہ گذرا لیکن ظرف مستقبل کے لئے نہیں بلکہ ماضی کے لئے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ:

ولو انھم اذا ظلموا بلکہ " اذ ظلموا" فرمایا ہے پس آیت اس حکم کو واضح کرتی ہے جو کہ آپ کی حیات میں واقع ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات کے بعد استغفار ــــ تو یہ ناممکن اور مشکل ہے کیونکہ جب شخص وفات پاجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، سوائے تین اعمال کے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صدقۂ جاریہ، علم نافع یا صالح اولاد جو کہ اس کے لیے دعا کرے۔ تو یہ انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ موت کے بعد کسی کے لئے استغفار کرے بلکہ وہ تو اپنے لئے بھی استغفار نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے اعمال منقطع ہو چکے ہیں:

شیخ عثیمین کے اعتراض کا تجزیہ

میرے نزدیک یہ عثیمین کی طرف سے بہت بڑی جسارت ہے ہم اللہ سے عافیت مانگتے ہیں۔

کلمہ "اذ" مستقبل کے لئے بھی آتا ہے

(اذ) کا ظرف زمانہ ماضی کے ساتھ اختصاص محلِ نظر ہے۔ کیونکہ کلمہ "اذ" جیسے فعل ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے ایسے ہی فعل مستقبل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کے کئی اور معانی بھی ہیں جنہیں ابن ہشام نے مغنی اللبیب میں (۱: ۸۰-۸۳) میں ذکر کیا ہے۔

امام ازھری نے اذ کے مستقبل کے لئے مستعمل ہونے پر تصریح کرتے ہوئے "تھذیب اللغۃ" (۱۵ : ۴۸) میں کہا اہل عرب (اذ) کو مستقبل اور (اذا) کو ماضی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

ولو تری اذ فزعوا۔ (سورۃ سبا، ۵۱)

میں کہتا ہوں کہ اذ ان آیات میں مستقبل کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ولو تری اذ وقفوا علی النار۔ (الانعام ۲۷)

ولو تری اذ وقفوا علی ربھم۔ (الانعام ۳۰)

ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت۔ (الانعام ۹۳)

ولو تری اذ المجرمون ناکسوا رؤسھم عند ربھم (السجدہ ۱۲)

ان تمام آیات میں اذ مستقبل کے لئے استعمال ہوا ہے لہذا عثیمین کا یہ کہنا کہ یہ صرف ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے غلط ہے۔

وصال کے بعد آپ کے بخشش کی سفارش کرنے پر دلائل

اور اس کا یہ کہنا کہ آپ کا وصال کے بعد بخشش کی سفارش کرنا ناممکن ہے کیونکہ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے تین اعمال کے سوا تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔
ہم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفارش فرمانا کئی دلائل کی بنا پر ممکن ہے۔

۱۔ انبیاء قبور میں زندہ ہیں

حدیث صحیح میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الانبیاء احیاءٌ فی قبورھم یصلون۔ انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔



اس کو امام بیہقی نے "حیاۃ الانبیاء" (ص ۱۵) میں، امام ابویعلیٰ نے "مسند ابویعلیٰ" (ص ۶: ۱۴۷)، امام ابونعیم نے "اخبار اصبہان" (۲ : ۴۴) امام ابن عدی نے "الکامل" (۷ : ۷۳۹) میں روایت کیا۔
امام ھیثمی نے "المجمع الزوائد" (۸ : ۲۱۱) میں فرمایا کہ ابویعلیٰ کے رواۃ ثقہ ہیں اور حدیث کی کئی سندیں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مررت علی موسی وھو	میں حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرا
قائم یصلی فی قبرہٖ	تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

(مسلم شریف ۴ : ۱۸۴۵، مسند احمد ۳ : ۱۲۰، شرح السنۃ للبغوی ۱۳ : ۳۵۱ وغیرہم)

علامہ ابن القیم نے قصیدہ نونیہ میں حیاۃ الانبیاء پہ کلام کرتے ہوئے لکھا

والرسل اکمل حالۃ منہ بلا	شک وھذا ظاھر التبیان
فلذلک کانوا بالحیاۃ احق من	شھدائنا بالعقل والبرھان
وبأن نکاحہ لم ینفسخ	فنساؤہ فی عصمۃ وصیان
ولاجل ھذا لم یحل لغیرہ	منھن واحدۃ مدی الأزمان
أفلیس فی ھذا دلیل انہ	حی لمن کانت أذ قان

(حضرات انبیاء کرام شہداء سے بے شک افضل و اکمل ہیں۔ اس پہ ظاہر دلائل ہیں۔ اسی لئے وہ ہمارے شہداء سے عقل و نقل کے لحاظ سے حیات کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ان کا نکاح فسخ نہیں۔ پس ان کی عورتیں عصمت و پاکیزگی کے ساتھ

متصف ہیں۔ اسی لئے ان کی بیویوں میں سے کوئی ایک بھی کسی غیر پہ رستی دنیا تک حلال نہیں ہے۔ کیا اس میں ہر انسان کے لئے دلیل نہیں کہ آپ زندۂ جاوید ہیں۔ (النونیہ مع شرح ابن عیسیٰ ۲، ۱۶۰)

۲۔ آپ نے تمام انبیاء کو جماعت کروائی

حدیث صحیح اور تواتر سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات تمام انبیاء کرام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی۔ حالانکہ وہ تمام وصال فرما چکے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نمازوں میں تخفیف کے لئے آپ کو لوٹانا اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء کو آپ کا آسمانوں میں دیکھنا ثابت ہے۔

پس جب یہ ممکن ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کے لئے استغفار کیسے ناممکن ہوسکتا ہے۔؟

اور نماز کیا ہے ؛ دعا، استغفار اور تضرع کا مجموعہ ہی تو ہے۔

۳۔ تمہارے بُرے اعمال پر میں بخشش طلب کروں گا

صحیح حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رأیت من شر استغفرت لکم۔	میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم (مجھ سے) گفتگو کرتے ہو اور تم سے گفتگو کی جاتی ہے اور میرا وصال بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ ہم پر تمہارے اعمال پیش کئے جائیں گے پس جس عمل کو اچھا دیکھیں گے تو اللہ کا شکر ادا کریں گے اور اگر بُرے اعمال ہوئے تو تمہارے لئے اللہ سے استغفار طلب کریں گے۔

Marfat.com

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے بارے مین حافظ عراقی نے (طرح التثریب ۳ : ۲۹۷) میں فرمایا۔ اس کی سند جیّد (عمدہ) ہے ۔ اور امام ھیثمی نے (مجمع الزوائد ۹ : ۲۴) میں کہا اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحاح کے راوی ہیں ۔ امام سیوطی نے (الخصائص الکبریٰ ۲ : ۲۸۱) میں اس کو صحیح کہا۔

امام عراقی اور ھیثمی نے جو کلام کیا ہے وہ صرف بزار کی سند کے بارے میں ہے ورنہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ حافظ سیوطی نے فرمایا ہے ۔ اور اس پہ تفصیلی کلام انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گا ۔

۴ ۔ آپ کی دُعاءِ مغفرت ہر مسلمان کو حاصل ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا تمام مومنین کے لئے عام ہے چاہے کسی خوش نصیب نے آپ کی ظاہرہ حیات کا زمانہ پایا ہے یا کسی حرماں نصیب نے یہ مبارک دور نہ دیکھا ہو ۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۔

اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی طلب کرو ۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت عظیم نعمت ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک ہے ۔

سابقہ گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں تین امور کا ذکر ہے ۔

۱ ۔ بارگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم مین حاضر ہونا ۔

۲ ۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا ۔

۳۔ اہلِ ایمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مغفرت طلب کرنا۔
اور یہ تینوں چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری اور وصال میں حاصل و موجود ہیں۔

اعتبار سبب کا نہیں بلکہ عموم الفاظ کا کیا جاتا ہے

اور یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا چونکہ یہ آیت خاص لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی لہٰذا انہیں کے ساتھ مخصوص رہے گی۔ کیونکہ یہ قاعدہ معروف و مسلّم ہے کہ

العبرة لعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔ — عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں۔

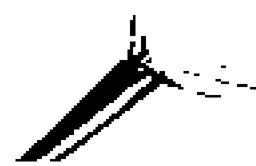
یہی وجہ ہے مفسّرین کرام نے اس آیت کریمہ سے عموم ہی سمجھا اور کہا۔ جو شخص روضۂ اقدس پر حاضر ہو اس کے لیے یہ آیتِ مبارکہ پڑھنا مستحب ہے۔ اس کے بعد اللہ سے معافی مانگے۔

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

اور جب کبھی بھی وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب وہ تمہارے پاس حاضر ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

تفاسیر اور کتبِ مناسک کی استدلال پر تائید

ہمارے سامنے مذاہب اربعہ کی تفاسیر اور مناسکِ حج پر لکھی ہوئی تصانیف



ہیں جن سے واضح ہے کہ اس آیت کریمہ سے زیارت پر استدلال درست ہے۔

ہم زیادہ دور کیوں جائیں یہ علامہ ابو محمد ابن قدامہ حنبلی صاحب المغنی کو لے لیجئے، جن کے متعلق ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ شام میں امام اوزاعی کے بعد ابن قدامہ سے بڑا فقیہ نہیں آیا۔

انہوں نے روضۂ اقدس کی حاضری کے وقت یہی آیتِ کریمہ ذکر کی ہے (۳: ۵۹۰) جیساکہ اسی کتاب میں پہلے ( ) ذکر ہو چکا ہے۔

اور طریقۂ زیارۂ قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا ہے۔

پھر روضہ شریف پہ حاضر ہو۔ قبلہ کی طرف پُشت کرے اور روضۂ اقدس کی کی درمیانی جالی کی طرف رخ کرکے یوں عرض کرے:

السلام علیک ایھا النبی	اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ	سلامتی اور اللہ کی رحمت وبرکتیں ہوں۔
السلام علیک یانبی اللہ و	اے اللہ کے نبی اور اس کی تمام
خیرتہ من خلقہ۔	مخلوق سے افضل ترین ہستی۔

آگے چل کر کہا:

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہ درود عرض کرنے کے بعد یوں عرض کرے:

"اے اللہ تیرا ہی فرمان ہے اور تیرا فرمان سچ ہے:

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ	اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو
جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ	آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اللہ
اسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا	تعالیٰ سے مغفرت مانگیں اور نبی مکرم
اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔	بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں تو
	وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنیوالا

رحم فرمانے والا پائیں گے۔

وقد آتیتك مستغفرًا من ذنوبي متشفعًا بك إلى ربّي فاسئلك یا رب ان توجب لی المغفرة کما اوجبتها لمن اتاه فی حیاته اللّٰھم اجعله اول الشافعین، وانجح السائلین، واکرم الآخرین والاولین، برحمتك یا ارحم الرّاحمین۔

میں اپنے گناہوں کی بخشش کا طلبگار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شفاعت کی امید لیے حاضر ہو گیا ہوں اور اے میرے رب میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو میرے لیے بخشش ثابت فرما دے جیسے تو نے اس شخص کے لیے بخشش فرمائی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اے اللہ اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمت کے ساتھ سب سے پہلا شفاعت فرمانے والا اور کامیاب سوال کرنے والا اگلوں اور پچھلوں میں سب سے زیادہ عزت والا بنا دے۔

پھر اپنے والدین بھائیوں اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔

(آپ کا کلام اختصار کے ساتھ ختم ہوا)

تمام اُمت کے نیک اعمال کا اجر آپ بھی پا رہے ہیں

عثیمین کی اس بات پر کلام باقی رہ گیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے

ہیں تو تین اعمال کے سوا نیک عمل کا امکان ختم ہو گیا....الخ

میں کہتا ہوں کہ ہمارے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے کمالات اور خصوصیات ہیں جو کسی دوسرے میں نہیں پائی گئیں ۔ اور یہی بات ابن تیمیہ نے اپنی کتاب " الصارم المسلول علی شاتم الرسول " جو کہ ان کی تمام تصانیف سے اچھی ہے ، میں کہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات قیامت تک بلند ہوتے رہیں گے ۔

اور یہ بات تو مسلمہ اور ضروریاتِ دین میں سے ہے اور کتبِ خصائص و دلائل النبوۃ ، شفاء شریف وغیرہ اور اس کی شرح میں اس چیز کو ثابت کیا گیا ہے ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من دعا الی ھدی کان له	جس شخص نے ہدایت کی طرف دعوت
من الاجر مثل اجور من	دی اس کے لیے اتنا اجر ہے جتنا
اتبعه لا ینقص من اجورھم	پیروی کرنے والوں کا جبکہ ان کے
شیئًا ۔ (مسلم شریف)	اجر و ثواب میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی۔

یہ تمام اعمالِ صالح جو امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے جو صادر ہو رہے ہیں یہ تمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق سے ہی وابستہ ہیں ۔ اسی طرح ان اعمال صالح کا ثواب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور آپ اس سے متمتع ہوتے ہیں ۔ باوجودیکہ امت کے اجر و ثواب میں بھی کچھ کمی واقع نہیں ہوتی ۔

اسی درست رائے کے بارے میں ابنِ تیمیہ نے (فتاویٰ ۱ : ۱۹۱) میں کہا ہے:
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جس نے ہدایت کی دعوت دی اس کے لئے اتنا ہی ثواب ہے جتنا پیروی

دعمل، کرنے والوں کے لیے، جب کہ ان کے اجر و ثواب میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہو گی۔"

امت جو نیکیاں اور اعمالِ خیر کر رہی ہے اس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بلانے والے ہیں۔ پس جو عمل بھی امتی کریں اس کا ثواب و اجر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچتا رہتا ہے۔ اور امتیوں کے اجر میں بھی کمی نہیں ہوتی۔

حاصل کلام یہ کہ یہ بات کرتے وقت ابن عثیمن پھسل گیا ہے۔

ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ آدمی بغیر علم کے اللہ کی کتاب میں کلام کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے زیادتی کرے۔

دوسرا باب

احادیثِ رسول ﷺ

اور

زیارتِ نبوی

Marfat.com
Marfat.com

اِس سلسلہ میں احادیث دو طرح کی ہیں :

۱۔ ایسی احادیث جو مطلق زیارتِ قبور پہ دلالت کرتی ہیں اور یہ متعدد الفاظ کے ساتھ مروی اور حدِ تواتر کو پہنچی ہیں جیسا کہ نظم المتناثر ، ۸۰ ۔ ۸۱ اور اتحاف ذو الفضائل المشتھرہ ، ۹۷ میں ہے ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو زیادہ مشہور الفاظ مروی ہیں وہ ہیں :

کنت قد نھیتکم من زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تذکر الآخرۃ ۔	میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا اب زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے ۔

اور یہ الفاظ بھی ہیں :

فمن اراد ان یزور القبور فلیزر ولا تقولوا ھجرًا ۔	زیارت قبور کرنے والا زیارت کرے اور بُرا نہ کہے

اسے امام نسائی نے اپنی سنن ، ۴ : ۷۳ میں روایت کیا ہے ۔

اور فعل شرط کے ساتھ عموم کا فائدہ دیتا ہے اور کوئی حدیث اس کی مخصص نہیں ہے ۔ اور پیارے آقا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور تمام قبور سے علی الاطلاق افضل و اعلیٰ ہے اور وہ زیارت کی زیادہ حق دار ہے ۔

یہاں ایک اشکال بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

جب حصولِ علم رشتہ داروں اور مسلمان بھائی کی زیارت اور تجارت کے لیے سفر کے جواز پر تمام کا اتفاق ہے تو کیا وجہ ہے کہ احادیثِ زیارتِ قبور کو مخصوص کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اس کا جواز عدمِ سفر کے متصل ہے۔
بلاشک جو مطلق زیارتِ قبور کی احادیث کو مقید کرتا ہے وہ عقل و فکر سے عاری ہے۔

تنبیہ

لفظ زیارت سے لازم آتا ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جایا جائے۔ پس شارع علیہ السلام نے ایک جگہ سے دوسری جگہ زیارت کے لیے جانے پر ابھارا ہے۔
اور اگر یہ کہا جائے کہ ابن تیمیہ نے الرد علی الأخنائی ،، میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا فزوروا القبور (قبور کی زیارت کرو) یہ صرف مطلق زیارت یا اس کے استحباب یا جواز پر دال ہے لیکن اس سے سفر کرنا نہ تو استحباباً لازم آتا ہے اور نہ ہی اباحتاً۔
میری گذارش یہ ہے کہ حدیث عام ہے اور اس کو خاص بھی کوئی چیز نہیں کر رہی اور یہ اصول طے شدہ ہے کہ جب کوئی شے پائی جائے گی تو اپنے تمام لوازم کے ساتھ پائی جائے گی۔
اور پھر اس پر مزید یہ کہ جب زیارۃ انتقالِ سفر کے ساتھ متعلق ہے تو کوئی دلیل اس کو منع کرنے والی نہیں ہے۔
اور اختلاف کے وقت رجوع شرع کی طرف کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فان تنازعتم فی شئ فردوہ	پس اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو
الی اللہ والرسول ان کنتم	اسے اللہ اور اس کے رسول کے حضور

تومنون باللّٰہ والیوم الآخر ذلک خیر و احسن تأویلا۔ (النسآء ، ۵۹)	رجوع کرو۔ اگر اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے۔

اور شارع علیہ السلام نے سفر کو زیارت کا نام دیا ہے جس میں تاویل کا احتمال ہے۔

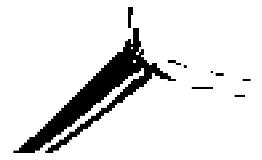
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان رجلاً زار أخاً لہ فی قریۃ اخری فارصد اللّٰہ علی مدرجتہ ملکاً فلما أتی علیہ قال: این ترید؟ قال: أرید أخاً لی فی تلک القریۃ قال: ھل لک علیہ من نعمۃ تربھا؟ فقال: لا غیر أنی احببتہ فی اللّٰہ عزو جل: فقال انی رسول اللّٰہ الیک بان اللّٰہ احبک کما احببتہ۔	ایک شخص اپنے بھائی کی ملاقات کرتے دوسری بستی میں گیا، اللہ تعالیٰ نے اسکے راستے میں ایک فرشتہ مقرر کردیا، جب وہ شخص اس فرشتے کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگا میرا ایک بھائی فلاں گاؤں میں ہے، اس کے پاس جانیکا ارادہ ہے، فرشتے نے کہا کیا تمہارا اس پر کوئی احسان ہے، جسکی تکمیل چاہتے ہو؟ اس شخص نے کہا نہیں مجھے اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے محبت ہے فرشتے نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا ہے بے شک اللہ تعالیٰ کو تم سے محبت ہے جیسے تمہیں اپنے بھائی سے محبت ہے۔

(صحیح مسلم ، ۴ : ۱۹۸۸)

پس شارع علیہ السلام نے ایک بستی سے دوسری بستی کی طرف سفر کو زیارت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور لفظ زیارت میں سفر اور عدم سفر دونوں کا احتمال ہے۔

اور لفظ زیارت کو دونوں میں سے ایک کے ساتھ مخصوص کرنا کہ زیارت صرف



بغیر سفر کے ہی ہے تو یہ نص پر سینہ زوری اور زیادتی ہے اور اصولِ شرع کی مخالفت

فائدہ

حافظ ابوزرعہ عراقی نے طرح التثریب ۶: ۴۳ میں کہا ہے کہ

میرے والد ماجد الحافظ الکبیر ولی اللہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ حکایت کرتے ہیں کہ میں شیخ زین الدین عبدالرحیم بن رجب الحنبلی کے ساتھ تھا کہ جب وہ حضرت خلیل علیہ السلام کے شہر کی طرف جا رہے تھے۔ جب ہم شہر کے قریب پہنچے تو شیخ ابن رجب نے کہا میں حضرت خلیل علیہ السلام کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت کرتا ہوں تاکہ میں ابن تیمیہ کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے زیارت کے لیے شدِ رحال سے بچ سکوں۔ تو میں نے کہا کہ میں قبر خلیل علیہ السلام کی زیارت کی نیت کرتا ہوں پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد۔	کہ تین مساجد کے سوا کسی طرف بھی کجاوے نہ کسے جائیں اور آپ نے چوتھی مسجد کی طرف کجاوہ کسا ہے۔

اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

زوروا القبور	قبروں کی زیارت کیا کرو

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان مبارک میں قبور انبیاء کا استثناء فرمایا ہے؟ تو اس پر ابن رجب مبہوت و خاموش ہو گئے۔

امام عراقی کبیر، حافظ فقیہ اور بہت بڑے اصولی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام یہ

Marfat.com

رحم کرے ۔

بلاشبہ جو شخص ان احادیث کو مقید کرے گا جو کہ مطلق زیارتِ قبور میں وارد ہیں تو وہ بھٹک گیا (فتدبر)

۲۔ دوسری وہ احادیث ہیں جو فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ منورہ کی زیارت میں وارد ہیں ان میں سے وہ حدیث شریف ہے جو کہ حسن بلکہ بعض ائمہ نے اس کو صحیح اور بعض نے حسن کہا ہے جیسا کہ محدث ابن السکن امام السبکی اور سیوطی اور اس کے حسن ہونے پر امام ذہبی کی عبارت میں بھی تصریح ہے ۔

ان احادیث میں سے سب سے اچھی سند کے لحاظ سے وہ حدیث جو کہ اس سند سے مروی ہے ۔

موسی بن هلال العبدی	حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے
عن عبد الله بن عمر العمری	روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وعبید الله بن عمر العمری	نے فرمایا جس نے میری قبرِ منورہ کی زیارت
عن نافع عن ابن عمر قال	کی اس کے لئے میری شفاعت واجب
قال رسول الله صلی الله	ہو گئی ۔
علیه وسلم: من زار قبری	
وجبت له شفاعتی ۔	

صحیح یہ ہے کہ عبدی نے العمری صغیر اور کبیر دونوں سے روایت کی ہے اور العمری الکبیر میں اگرچہ کچھ کلام ہے لیکن وہ حسن الحدیث ہے اور امام ابن معین نے اس کی روایت عن نافع میں فرمایا کہ یہ صالح اور ثقہ ہے ۔

ضروری ہے کہ ہم قاری کی نظر اس طرف متوجہ کریں کہ ابن الهادی جس نے العمری الکبیر کے بارے میں تمام جرحی کلمات نقل کئے ہیں وہ بھی کہتا ہے کہ یہ حسن الحدیث

ہے اور اس حدیث کو "تنقیح التحقیق، ۱ : ۱۲۲" میں حسن قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

امام الجرح والتعدیل ابنِ معین وغیرہ کہ جن آئمہ نے العمری الکبیر کی حدیث کو قبول کیا ہے وہ حجت ہے۔

اور یہ موسیٰ بن ہلال العبدی، اس سے بہت سارے ائمہ دین نے روایت لی ہے۔ اور وہ امام احمد کے شیوخ میں سے ہیں۔ اور امام ذہبی نے امام احمد سے ان کے بارے میں "میزان" (۴ : ۲۲۶) میں نقل فرمایا کہ وہ صالح الحدیث ہے اور امام ابن عدی نے کہا:

ارجوانہ لا بأس بہ۔ میرے خیال میں اس سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور احادیث زیارت میں سے ایک وہ حدیث ہے جو سنن ابی داؤد میں امام ابی داؤد سجستانی کے طریقہ پر صالح الاحتجاج ہے یعنی اس سے احتجاج کیا جا سکتا ہے۔ اور اپنے مقام پہ انشاء اللہ مفصل آئے گا۔

صحیح اور معتدل قول یہی ہے کہ احادیث زیارت ثبوتِ دعویٰ پہ قیام دلیل کی صلاحیت رکھتی ہیں اور جس نے ان پہ موضوع ہونے کا حکم لگایا جیسا کہ بعض کا زعم باطل ہے تو یہ بہت بڑی جرأت ہے۔

تیسرا باب

زیارت اور اجماعِ اُمّت

جن علماءِ کرام نے اس مسئلہ پہ اجماع نقل کیا ہے ان میں سے قاضی عیاض مالکی ہیں۔ آپ نے الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کیا۔

زیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ من سنن المسلمین مجمع علیھا وفضیلۃ مرغب فیھا۔ (الشفاء، ۲:۷۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مقدسہ کی زیارت مسلمانوں کے اعمال میں سے ایسا عمل ہے کہ اس پہ اجماع ہو چکا اور یہ ایسی فضیلت ہے کہ جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

علامہ شوکانی "نیل الاوطار" میں لکھتے ہیں:

جس نے روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جائز قرار دیا اس نے یہ دلیل بھی دی ہے کہ حج کا ارادہ کرنے والے مختلف مذاہب اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کا ہمیشہ سے دستور چلا آرہا ہے کہ زیارتِ روضۂ منورہ کے لیے مدینہ پہنچتے ہیں اور اس کو افضل ترین اعمال میں شمار کرتے ہیں اور ان کی طرف سے اجماع ہے۔

(نیل الاوطار، ۴ : ۱۱۰)

اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے "ابراز الغی الواقع فی شفاء العی" میں لکھا ہے:

جہاں تک نفسِ روضۂ مقدسہ کی زیارت کا معاملہ ہے تو ابنِ تیمیہ تک علماءِ امت اور ائمہ ملت میں سے کسی نے بھی عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔ بلکہ سب نے بالاتفاق اس

Marfat.com

افضل ترین عبادات اور بلند ترین اطاعتوں میں شمار کیا۔ اس میں تو اختلاف ہے کہ یہ زیارت مستحب ہے یا واجب! بہت سارے علماء نے فرمایا یہ مستحب ہے جبکہ بعض مالکیوں اور تمام اہلِ ظاہر (غیر مقلّدین) نے اس کو واجب قرار دیا ہے۔ اور احناف میں سے اکثر نے اس کو واجب کے قریب قرار دیا ہے اور احناف کے نزدیک جو چیز واجب کے قریب ہو وہ واجب کے ہی حکم میں ہوتی ہے۔ اور سب سے پہلے جس نے اجماع کو توڑا اور ایسی شی لایا کہ اس سے پہلے کسی عالمِ دین نے ایسی بات نہ کی، صرف اور صرف ابنِ تیمیہ ہے۔

کلامِ ائمہ کی غلط تاویل اور اس کا رد

اور مخالفِ زیارت اس کے متعارض کئی توہمات پیش کرتا ہے لیکن کوئی اعتراض اس کا ایسا نہیں جو تسلی و تشفّی بخش ہو۔ انہی بے سر و پا باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اس اجماع مذکور کا تو معترف ہے لیکن کلامِ علماء میں تحریف کرتا ہوا کہتا ہے کہ ان لوگوں کا مقصود بغیر شدِ رحال کے زیارتِ قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور اگر شدِ رحال پایا جاتا تھا تو پھر ان کا مقصد سفر زیارتِ مسجد کے لیے ہوتا تھا۔ لیکن اس کا یہ مکر اور تاویل بالکل باطل ہے۔ حضراتِ فقہا و علماء کی سابقہ تصریحات اس تاویل کو باطل کرتی ہے۔

ایک لاکھ نماز کا ثواب چھوڑ کر ہزار نماز کا ثواب لینے کون جاتا ہے!

کون شخص ہے جو اس سفر کی مشقت صرف ایک ہزار نماز کا ثواب پانے کے لیے اٹھائے جبکہ اس کے لیے ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ثواب کا حصول ممکن ہو تو کون شخص ہے جو اتنے بڑے ثواب کی قربانی دے؟

بلاشک وشبہ جس نے بھی مدینہ طیبہ کی طرف سامان سفر باندھا اور اتنا خرچ کیا یہ عظیم سفر صرف اور صرف اسی بقعہ مبارکہ کی زیارت کے لیے ہے کہ جس میں حبیب رب العالمین وامام المرسلین وسید ولد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرما ہیں (اللہ تعالٰے مزید اس بقعہ پر برکت فرمائے اور اس کی فضیلت وشرف کو دوبالا فرمائے)۔

کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ہم مسجد نبوی علی صاحبہا علیہ الصلاۃ والسلام کی فضیلت کے منکر ہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔

مسجد نبوی کی فضیلت اپنی جگہ مسلم لیکن یہ مسجد حرام سے فضیلت میں کم ہے جیساکہ نص۔ وارد ہے۔

اور اگر فقط سامان سفر باندھنا صرف اجر حاصل کرنے کے لیے ہی ہے تو پھر مسجد حرام اس سے زیادہ اولی واحق ہے۔

کیا مسجد نبوی کی طرح مسجد اقصیٰ کا بھی قصد کیا جاتا ہے

غور وفکر کرو (اللہ ہم پر رحم فرمائے) کیا مسجد اقصیٰ کی طرف رخت سفر باندھا جاتا جیساکہ مسجد نبوی کیطرف باندھا جاتا ہے۔ حالانکہ مسجد اقصیٰ کی بھی فضیلت مسلم ہے یہ بہت واضح اور بڑی دلیل۔۔۔ اور قوی برہان ہے کہ جو انتے عزائم اور سفروں پر ابھار رہی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہی تو ہے۔

اے مخاطب اس بات پر دھیان رہے کہ صرف مسجد نبوی کیطرف سامان سفر باندھنا یہ ابن تیمیہ سے پہلے کسی شخص نے بھی نہیں کیا۔

حاصل کلام یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منورہ کی زیارت کے جواز پر قولی اور عملی اجماع ایسے ہی ظاہر وثابت ہے جیسے کہ پہاڑ لنگر ڈالے کھڑے ثابت وظاہر ہیں! والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات)

اور پھر جو الفاظ امام مالک سے زیارت گنبد خضریٰ کے بارے میں وارد ہیں وہ اجماع کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ ان الفاظ کا جواب و محل انہی کے اصحاب نے واضح کر دیا ہے جیساکہ اپنے محل پر اس کا بیان ہے۔ اور اسی کے مثل معاملہ ہے امام محمد الجوینی کے الفاظ کا جو کہ نذر کے متعلق ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق زیارت روضہ مقدسہ سے ہرگز نہیں ہے۔ جیساکہ امام تقی الدین السبکی نے شفاء السقام ص ۱۲۱ تا ۱۲۳ تحقیق کی ہے۔

فرمان نبوی

لاتشد الرحال کا صحیح مفہوم!

یہ حدیث شریف زیارت کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتی۔

مخفی نہ رہے کہ ساتویں صدی ہجری میں تنہا ابن تیمیہ نے سفر زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منع ہونے پر فتویٰ دیا۔ اور اس کے شاگرد ابن عبد الہادی نے اس کے فتاویٰ سے اکثر جگہ پر نقل کیا ہے کہ ابن تیمیہ نے صرف زیارت نبوی کے لئے سفر کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

اور ابن تیمیہ کے فتویٰ جات اور مناظرات و تصنیفات اور اس کے فتنوں کا تعاقب کیا گیا۔ اور اکثر علماکرام نے اس کے رد میں کتب و مقالات لکھے۔

الحافظ الامام ابن حجر عسقلانی

نے اس فتنہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرمایا۔

حاصل کلام یہ کہ علمائے نے ابن تیمیہ پر یہ الزام لگایا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی طرف سفر کرنے کو حرام کہتا ہے۔

پھر حافظ صاحب نے فرمایا۔

کہ یہ مسائل میں سے بدترین مسئلہ ہے جو ابن تیمیہ سے صادر ہوا ہے۔

(الفتح الباری ۵/۶۶)

امام حافظ ابوزرعہ العراقی :

نے اپنے بعض جوابات جو کہ : الاجوبۃ المرضیۃ عن الاسئلۃ المکیۃ:
کے نام سے مشہور ہیں اس میں ایسے مسائل تحریر کیے ہیں جن میں ابن تیمیہ : منفرد (تنہا)
ہے۔

فرماتے ہیں ابن تیمیہ کے بہت قبیح مسائل ہیں سے مسئلہ طلاق اور مسئلہ زیارت
ہے اوران دونوں کا رد بلیغ امام تقی الدین السبکی نے کیا ہے اور اس سلسلہ میں
مستقل تصنیف لکھی ہے اور بہت خوب رد کیا ہے۔

اسی طرح دوسرے مقام پر " طرح التثریب ۲/۴۳/۴ میں فرمایا۔
اور شیخ ابن تیمیہ سے اس مقام پر عجیب قبیح کلام صادر ہوا ہے جو کہ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کی قبر منورہ کی طرف سامان سفر باندھنے کی حرمت کو متضمن ہے۔ یہ کلام نیکی
نہیں بلکہ اس کی ضد ہے۔ اور اس پر امام تقی الدین السبکی نے شفاء السقام میں اس
کا خوب رد کر کے اہلِ ایمان کے دلوں کو شفا دی ہے۔

حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی العلائی

نے ان مسائل میں جن میں ابن تیمیہ متفرد ہے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ
ان مسائل میں سے وہ مسئلہ شنیعہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے
لیے سفر پر جانا گناہ ہے لہذا اس میں نماز قصر نہیں کی جائے گی۔ اور اس مسئلہ
میں وہ حد سے گزر گیا حالانکہ اس سے پہلے مسلمانوں میں سے کسی ایک عالم
نے بھی ایسی بات نہیں کی۔

(تکملۃ الرد علی النونیہ ، ۱۴۳)

اس کے اس قول نے امت میں فتنوں کا دروازہ کھول دیا اور اللہ اس کا فیصلہ فرمائے اور اس کے فیصلوں کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔

ابن تیمیہ کی سب سے بڑی دلیل کا تفصیلی رد

ابن تیمیہ کی روضہ رسول کی طرف عدم سفر پر سب سے بڑی دلیل یہ حدیث ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ	سامان سفر نہ باندھا جائے سوائے
مساجد المسجد الحرام والمسجد	ان تین مساجد کے۔ مسجد حرام،
الاقصی ومسجدی ھذا۔	مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔

تو اس سے استدلال سب کا کئی وجوہ سے جواب دیا گیا ہے۔

ا:۔ اس حدیث میں استثناء مُفرّغ ہے (کہ یہاں مستثنیٰ منہ مقدر ہوتا ہے)۔ لہذا مستثنیٰ منہ مقدر ماننا لازمی ہے۔ وہ اگر عام ہو تو اس کے لیے مستثنیٰ منہ بھی عام ہی نکالا جائے گا کیونکہ استثنا معیار عموم ہے تو اب عبارت یوں ہو گی۔

لا تشد الرحال الی مکان الا الی	تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کے
المساجد الثلاثۃ۔	لئے بھی سامان سفر نہیں باندھا جائیگا۔

تو یہ بات بالبداہت باطل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہر سفر منع و ناجائز ہو جائیگا۔

مسلمہ نحوی قاعدہ

لیکن یہ ضابطہ واضح رہے کہ مستثنیٰ متصل کے لیے مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا ضروری ہے۔

شیخ ابن النجار حنبلی نے (شرح الکوکب المنیر ۳/۲۸۶) میں استثناء پر گفتگو

Marfat.com

کرتے ہوئے کہا۔ غیر جنس سے بھی استثناء صحیح نہیں ہوتا جیسے کہ جاء القوم الا حمار۔ (قوم آئی سوائے گدھے کے) کیونکہ گدھا قوم میں داخل نہیں ہے یا جیسے

عندی مائۃ درھم الا دینارا — تیرے پاس سو درہم ہیں سوائے دینار کے۔

صحیح روایت کے مطابق امام احمد سے بھی یہی مروی ہے اور ہمارے اصحاب (حنابلہ) میں سے اکثریت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام غزالی نے (المنخول ۱۵۹) میں اسی کو پسند کیا ہے۔

جس نے بھی غیر جنس سے استثناء کے جواز کا قول کیا ہے تو وہ مجازاً ہے۔ کیونکہ حقیقی طور پر یہ کہنا صحیح نہیں قام القوم الا حماراً (قوم کھڑی ہوئی مگر گدھا) ہاں اگر اس سے مراد مجازاً بے وقوف آدمی ہو تو پھر جائز ہوگا۔ ابن بدران نے "المدخل ۱۱۷:) میں اسی طرح بیان کیا ہے اور اسی میں ہے کہ: الخرقی نے مختصر میں کہا ہے جس نے کسی شے کا اقرار کرتے ہوئے غیر جنس سے استثناء کیا تو یہ استثنا باطل ہوگا۔

اور امام ابو اسحاق شیرازی نے (اللمع ص ۲۳۰-۲۳۰ مع شرح نزھۃ المشتاق للشیخ یحیی امان المکی میں اسی بات کو واضح کیا کہ غیر جنس سے استثناء از قبیل مجاز ہوتا ہے۔ مختار قول یہی ہے کہ مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا ضروری ہے اور یہی مذہب حنابلہ کا ہے اور جس نے اس کے سوا کو جائز کہا ہے تو وہ مجازاً کہا ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف نہیں بلکہ اتفاق و اتحاد ہے۔

جب یہ اصول واضح ہوگیا تو اب اس حدیث میں مقدر مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کی جنس ہی سے ہوگا تو اب عبارت حدیث یوں ہوگی۔

لا تشد الرحال الی (مسجد) الا — کہ تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف

Marfat.com

کا مطلب یہ ہے کہ وہ نوع اور وصف میں مستثنیٰ کے مناسب ہو مثلاً آپ کہتے ہیں ما رأیت الا زیداً ۔ اب تقدیراً عبارت یوں ہو گی ما رایت رجلاً او احداً الا زیداً یہ نہیں ہو سکتی، ما رایت شیاءً او حیوانًا الا زیداً ۔ تو اسی اصول کے تحت حدیث شریف کی عبارت یوں ہو گی ۔

لا تشد الرحال الی مسجد الا الی ثلاثۃ مساجد ۔	ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سامان سفر نہ باندھا جائے

اس مسئلہ پر ہمارے دور میں بلاد شامیہ میں کئی مناظرے ہوئے ہیں اور طرفین میں سے ہر ایک نے اس پر کتب لکھی ہیں یہاں ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے ۔

امام بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں

شد الرحل سفر سے کنایہ ہے کیونکہ وہ سفر کے لیے لازم ہے اور یہاں مستثنیٰ مفرغ ہے ۔ پس تقدیر کلام یوں ہو گا ۔

لا تشد الرحال الی موضع اَو مکان	کہ کسی جگہ اور مکان کی طرف سامان سفر نہ باندھا جائے ۔

سوال : اگر کہا جائے کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ اس کے سوا کسی بھی مکان یا جگہ کی طرف سفر نہ کیا جائے حتیٰ کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی زیارت کے لیے بھی سفر کرنا ناجائز ہو جائے گا ۔ کیونکہ مستثنیٰ مفرغ میں مقدر مستثنیٰ منہ اعم العام ہونا چاہیے ۔

جواب :۔ تو ہمارا جواب یہ ہو گا کہ یہاں اعم العام سے مراد یہ ہے کہ وہ مستثنیٰ کے نوع اور وصف میں مناسب ہو مثلاً ۔ ما رایت الا زیداً تو یہ تقدیراً عبارت یوں ہو گی ۔ ما رایت رجلاً او احداً الا زیداً ایسے عبارت نہیں ہو گی ما رایت شیاءً او حیوانا الا زیداً ۔ پس یہاں اس حدیث شریف میں بھی اسی اصول کے تحت عبارت یوں ہو گی ۔

اِلیٰ ثلاثۃ مساجد سامان سفر نہیں باندھا جائے گا۔

حدیث سے اس معنی کی تائید

اور مستثنیٰ منہ کی تعیین میں شہر بن حوشب کی روایت مشہور ہے اس کو امام احمد نے (مسند امام احمد ۳/۶۴ و ۹۴) میں اور ابو یعلی نے اپنی "مسند ۲/۴۸۹" میں روایت کیا ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی نے (فتح الباری ۳/۶۵) میں فرمایا شہر بن حوشب "حسن الحدیث" ہے اگرچہ اس میں قدرے ضعف ہے۔ اور اس کو امام ذہبی نے اپنی کتاب (فیمن تکلم فیہ وھو موثق ص ۱۰۰) میں بیان فرمایا ہے۔ تو یہ راوی ان میں سے ہے کہ جن کی روایت امام ذہبی کے نزدیک بھی "حسن" ہے۔ پس یہ دونوں جلیل القدر امام جو کہ حفظ اور معرفت رجال کے بلند و بالا پہاڑ ہیں وہ شہر بن حوشب کی حدیث کو "حسن" قرار دے رہے ہیں تو اب "البانی" کا شور و غوغا قابل توجہ ہی نہیں اور اس کا واضح رد بھی اپنے مقام پر آ رہا ہے انشاء اللہ تعالے۔ اس لئے شارحین حدیث نے بھی مسجد ہی کو مستثنیٰ منہ مقدر جانا ہے

علامہ کرمانی

علامہ کرمانی نے (شرح صحیح بخاری ۷/۱۲) میں "الا الی ثلاثۃ مساجد" پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔

• یہاں استثناء مفرغ ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ یہاں مستثنیٰ منہ عام مقدر ماننا چاہیئے جو کہ لفظ موضع یا مکان ہے تو اب حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ ان مساجد کے علاوہ کسی جگہ کا بھی سفر جائز نہیں حتیٰ کہ سیدنا خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کیلئے بھی سفر منع ہوگا کیونکہ مفرغ میں مقدر مستثنیٰ منہ کا اعم العام ہونا ضروری ہے، تو میں (کرمانی) کہتا ہوں کہ مستثنیٰ منہ اعم العام ہوتے

لاتشد الی مسجد الا الی ثلاثۃ ان تینوں کے سوا کسی مسجد کی طرف بھی سامان سفر نہ باندھو

(عمدۃ القاری ۶/۲۷۶)

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی (فتح الباری ۴/۶۶) میں فرماتے ہیں

بعض محققین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الا ثلاثۃ مساجد" کے بارے میں فرمایا۔

یہاں مستثنیٰ منہ محذوف ہے۔ وہ محذوف یا تو عام ہوگا تو عبارت یوں ہوگی۔

لاتشد الرحال الی مکان فی ای امر الا الی الثلاثۃ۔ کہ کسی بھی مکان کی طرف کسی بھی کام کیلئے سامان سفر نہ باندھا جائے مگر ان تین کی طرف یا محذوف خاص ہوگا۔

پہلی صورت درست نہیں۔ کیونکہ اس سے تو سفر تجارت رشتے داروں سے ملاقات اور طلب علم کیلئے سفر ناجائز اور ممنوع ٹھہرے گا۔ لہذا دوسری صورت متعین ہو جائے گی کہ مستثنیٰ منہ خاص مانا جائے تو اولی یہ ہے کہ اس لفظ کو مقدر مانا جائے جو زیادہ مناسب ہو تو وہ "مسجد" کا لفظ ہوگا اور عبارت یوں ہوگی۔

لاتشد الرحال الی مسجد للصلاۃ الا الی الثلاثۃ۔ ان تینوں مساجد کے سوا کسی مسجد کی طرف نماز پڑھنے کیلئے سامان سفر نہ باندھا جائے۔

تو اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو اس حدیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منورہ اور اولیاء کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر منع کرتے ہیں۔

اہم نوٹ:۔

اس میں مقدر مستثنیٰ منہ "مسجد" کو ہی بنانا ابن تیمیہ کی گفتگو کے بھی موافق ہے کیونکہ

انھوں نے اپنے (فتاوی ۲۷/۱۲) میں کہا کہ یہاں مقدر دو میں سے ایک ہے۔ یا یہ کہا جائے : لا تشد الرحال " الی مسجد " الا الی المساجد الثلاثۃ " کسی مسجد کی طرف سوائے ان تینوں کے سامان سفر نہ باندھا جائے۔

پس اس میں لفظ کے ساتھ اس سے ممانعت ہوگی۔

کاش ابن تیمیہ اسی پر اکتفا کرتے لیکن آگے کہا پس ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سامان سفر باندھنے کی ممانعت تو لفظی ہے۔ اور اس کے علاوہ تمام ایسی جگہیں کہ جن کی فضیلت کا اعتقاد کیا جائے ان کی ممانعت سیاقاً از خود واضح ہے آگے کہا جب مبارک اور افضل جگہوں کی طرف سفر منع ہے تو مفضول کی طرف تو بطریق اولی منع ہوگا۔

میں (سعید ممدوح) کہتا ہوں کہ حق اور سچ بالکل اس کے خلاف ہے کیونکہ جب ان تین مساجد کے فضیلت میں مخصوص ہونے کی وجہ سے ان کی زیارت کے لیے سفر مستحب ٹھہرا تو بطور دلالۃ النص روضۂ اطہر کا سفر بطریق اولی مستحب ہوگا کیونکہ ان تین مساجد کی طرف سفر سے زیارت نبوی کے لیے سفر بہر طور افضل ہو گا وجہ واضح ہے کہ زمین کا وہ حصہ جو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اطہر کو مس کر رہا ہے وہ ان تینوں مساجد سے کیسی اعلی و افضل ہے۔

روضۂ اطہر کائنات کی تمام جگہوں سے افضل ہے

حضرت امام مالک فرماتے ہیں۔

ان البقعۃ التی فیہا جسد النبی	جس بقعہ مبارکہ میں نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم افضل من	صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اقدس
کل شیء حتی الکرسی والعرش	ہے وہ جگہ ہر شے سے افضل ہے

Marfat.com

ثم الکعبۃ ثم المسجد النبوی ثم المسجد الحرام ثم مکۃ[1]

حتی کہ عرش و کرسی سے بھی پھر اس کے بعد کعبہ پھر مسجد نبوی پھر مسجد حرام اور پھر مکہ۔

حضرت امام قاضی عیاض الشفاء میں فرماتے ہیں:

الاجماع علی انہا افضل بقاع الارض!

اس پر اجماع امت ہے کہ آپ کا روضہ منور تمام زمین سے افضل ہے

اور آپ سے پہلے مالکیہ میں سے امام ابو الولید الباجی المالکی وغیرہ اور ان کے بعد امام قرافی وغیرہ نے اس کو بیان کیا ہے۔ اس کی تفصیل (معارف السنن ۳۲۳/۳) میں ملاحظہ کیجئے۔

اس پر اب ابن تیمیہ کا کہنا کہ۔

پس جب زیادہ فضیلت والی جگہوں کی طرف سفر کرنا منع ہے تو کم فضیلت والی جگہوں کی طرف تو بطریق اولی منع ہوگا۔ ابن تیمیہ کو چاہیئے تھا کہ یہاں یہ الفاظ بھی زیادہ کرتا کہ دلالۃ النص کے طور پر۔ افضل مکان و جگہ (اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور) کی طرف بھی سفر کا زیادہ حق ہے لیعنی اگر مفضول کی طرف سفر منع ہے تو ان سے افضل کی طرف سفر بھی افضل ہوگا۔

---

[1] روضہ شریف کائنات کی ہر جگہ سے حتی کہ عرش عظیم سے بھی افضل ہے اس کا مفصل بیان بندہ کی کتاب العقیدۃ الصحیحۃ فی شرح حیات الانبیاء میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مترجم غفرلہ)

دوسری وجہ

امام تقی الدین السبکی شفاء السقام ص ۱۱۸ میں فرماتے ہیں :
علم ہونا چاہیئے کہ اس حدیث شریف میں مستثنیٰ مفرغ ہے اس لیے تقدیراً عبارت یوں ہوگی۔

لاتشد الرحال الی مسجد الا الی المساجد الثلاثة : کہ ان تینوں مساجد کے سوا کسی مسجد کی طرف سامان سفر نہ باندھا جائے۔ یا پھر عبارت اسطرح ہوگی۔

لا تشد الرحال الی مکان الا الی المساجد الثلاثة : ان تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کی طرف بھی سامان نہ باندھا جائے۔ ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا ماننا ضروری ہوگا تاکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے تحت ہو اور پہلے کو (یعنی مسجد) کو یہاں مقدر ماننا اولی ہے کیونکہ وہ جنس قریب سے ہے۔ اور اگر اس حدیث کے عموم کا اعتبار کیا جائے یعنی کسی جگہ کی طرف بھی سامان سفر نہ باندھا جائے سوائے ان تین مساجد کے یعنی جس عموم کی طرف ابن تیمیہ گیا ہے۔

سفر مطلوب کے دونوں اسباب زیارت نبوی میں ہیں :

آگے چل کر امام السبکی نے جو (ص ۱۱۹ - ۱۲۱) میں بیان فرمایا اس کی تلخیص یہ ہے۔

سفر کا باعث دو باتیں ہوں گی یا تو طلب علم اور زیارت والدین یا اس کے مشابہ کسی اور غرض کیلئے سفر کرنا تو یہ بالاتفاق مشروع و جائز ہے۔

Marfat.com

دوسرا وہ سفر ہے جس کا مقصد کسی خاص مقام پر جانا ہے۔ جیسا کہ مکہ و مدینہ یا بیت المقدس کی طرف سفر کرنا۔ اور حدیث ان سب پر مشتمل ہے۔

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر اس حدیث کے تحت نہیں آتا کیونکہ مسافر صرف اس جگہ کی تعظیم کے لیے سفر نہیں کرتا بلکہ وہ ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اس روضۂ شریف میں کو محو استراحت ہیں ان کی تعظیم کے لیے سفر کرتا ہے۔ تو یہ قطعًا اس حدیث کے تحت نہیں آئے گا بلکہ یہ پہلی قسم (یعنی والدین اور طلب علم کے لیے سفر) میں داخل ہوگا جو جائز ہے۔

پس سفر سے ممانعت دو امور کے ساتھ مشروط ہے۔

نمبر ۱:۔ اس سفر کی غایت ان تین مساجد کے علاوہ ہو۔

نمبر ۲:۔ یہ سفر اس جگہ کی تعظیم کے لیے ہو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کی غایت انہی تینوں مساجد میں سے ایک مسجد ہے اور اس سفر کی علت اسی بقعہ مبارکہ میں ساکن کی تعظیم ہے نہ کہ بقعہ کی، تو کس طرح اس سفر کی ممانعت ہو گی۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ سفر مطلوب کے دو سبب ہیں۔

۱:۔ سفر کی غایت ان تین مساجد میں سے کوئی ایک مسجد ہو۔

۲:۔ سفر اللہ کی عبادت کے لیے ہو اگرچہ ان تینوں کے علاوہ کسی اور طرف ہو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر میں یہ دونوں سبب پائے جاتے ہیں لہذا یہ طلب کا اعلی درجہ ہے اور اس کے علاوہ کسی اور سفر میں یہ دونوں سبب نہیں پائے جاتے بلکہ ایک سبب ہو گا اس کی طلب بھی کم درجہ پر ہو گی۔

اور اگر سفر کی غرض و غایت ان تینوں مساجد میں سے کسی ایک کی طرف ہو تو

Marfat.com
Marfat.com

یقیناً یہ قصد صالح کی نیت سے قربت اور نیکی ہوگی۔

کسی جگہ کی تعظیم کے لئے سفر منع ہے

رہا وہ سفر جو ان تینوں مقامات کے علاوہ کسی اور مکان کی طرف اس کی تعظیم کے لیے ہو۔ تو اسی بارے میں یہ حدیث وارد ہے (کہ یہ سفر منع ہے) جیسا کہ بعض تابعین حضرات سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے عرض کیا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں کوہ طور پر جاؤں تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

سامان سفر صرف تین مساجد۔ مسجد حرام۔ مسجد نبوی اور مسجد اقصی کی طرف باندھا جاتا ہے لہذا چھوڑ دو طور کو اور وہاں نہ جاؤ۔

حاصل کلام یہ کہ۔ اگر اس حدیث کو عموم پر محمول کیا جائے جو کہ ابن تیمیہ کی مراد کے موافق ہے تو پھر یہ حدیث مطلقاً زیارت سے تو منع نہیں کرتی کیونکہ مسافر جگہ کے ساکن کی زیارت کیلئے جاتا ہے۔

جیسا کہ عالم کی زیارت اور رشتہ دار کی زیارت تو اس کے جواز پر اجماع ہے باقی حدیث شریف صرف اماکن کے بارے میں وارد ہے۔ غور و فکر سے کام لے کر فائدہ اٹھاؤ اللہ تعالیٰ امام سبکی کو جزائے خیر و عزت عطا فرمائے انھوں نے حدیث کے مفہوم کو پایا۔

اہم نوٹ

امام سبکی کی تقریر میں یہ صراحت ہے کہ یہ حدیث صرف اماکن کی طرف سفر کی ممانعت کے ساتھ خاص ہے! اور اس میں ابن تیمیہ بھی متفق ہے جیسا کہ اس نے اپنے (فتاویٰ ۲۱/۲۷) میں کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لاتشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد
ہر اس سفر کو جو کسی مکان مقصودہ کی طرف کیا جائے منع کرتا ہے بخلاف سفر تجارت اور طلب علم وغیرہ کے کیونکہ وہاں اس حاجت کا حصول مقصد ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اسلامی بھائی کی زیارت کے لیے سفر کرنا کیونکہ وہ جہاں بھی ہو وہ مقصود ہے۔

میں کہتا ہوں اسطرح یہ حدیث مختلف مقامات کی طرف سفر کی ممانعت کے ساتھ خاص ہوگی۔ جب یہ واضح ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری اس حدیث کے تحت ممانعت میں داخل نہیں ہے کیونکہ وہ تو حاضری اور روضہ شریف میں محو استراحت شخصیت کی طرف سفر ہے نہ کہ صرف روضہ شریف کیلئے (فتدبر)
اب ہر ذی فہم شخص پر واضح ہو جائے گا حدیث لاتشد الرحال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری سے ممانعت پر استدلال اجنبی اور بودا پن ہے۔

تیسری وجہ:۔

اس حدیث میں نہی وجہ واحد (حرام) پر نہیں بلکہ اس میں علما کا اختلاف کہ یہ نہی کس وجہ سے ہے؟

امام ابن بطال نے فرمایا:۔

یہ حدیث علماء کے نزدیک اس شخص کے لیے ہے جس شخص نے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی

امام ابوسلیمان الخطابی فرماتے ہیں!

یہ (لاتشد الرحال) حدیث: نذر کے بارے میں ہے۔ اگر انسان نذر مانتے کہ میں

Marfat.com

فلاں مسجد میں نماز پڑھوں گا تو اس کو اختیار ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھے یا کسی اور مسجد میں نماز پڑھے بخلاف ان تینوں مساجد میں سے کسی ایک مسجد کے کیونکہ اگر ان تین مساجد میں سے کسی ایک میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس کو پورہ کرنا اس پر واجب ہو گا۔ کیونکہ یہ انبیاء کرام کی مساجد ہیں اور ہم کو ان کی اقتدار کا حکم دیا گیا ہے۔

(معالم السنن ۲/۲۴۴)

اور یہ ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ نذر صرف طاعت[1] میں ہی واجب ہوتی ہے تو اس حدیث کا معنی یہ ہوا کہ جس شخص نے ان تین مساجد میں سے کسی ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر اس نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔ اور جس نے ان تینوں کے علاوہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر اس کو وفا کرنا واجب نہیں ہے

---

[1] اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری نیکی و طاعت ہے لہٰذا جس نے آپکی قبر منورہ پر حاضر ہونے کی نذر مانی تو اس پر اس نذر کا پورا کرنا واجب ہو گا، قاضی ابن کج شافعی نے فرمایا۔

اذا نذران یزور قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعندی انہ یلزم الوفا بذالک وجہاً واحداً۔

اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ وہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے گا تو ہر وجہ سے اس پر یہ نذر پوری کرنا لازم ہے۔

(المجموع : ۸/۳۷۶)

امام ابن کج (الفتح الکاف) کا نام یوسف بن الدینوری ہے۔ امام قاضی ابن شہبہ (۱/۱۹۶) فرماتے ہیں کہ وہ مشہور آئمہ میں سے ہیں اور مذہب شافعی کے حفاظ مصنفین اور اصحاب وجوہ المتقنین میں سے ہیں حفظ مذہب شافعی میں ضرب المثل ہیں۔

امام نووی نے فرمایا :-

اس میں کوئی اختلاف نہیں سوائے اس کے جو کہ امام لیث سے مروی ہے کہ اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اور اس مسئلہ میں حنابلہ سے ایک روایت ہے کہ اس شخص پر قسم کا کفارہ ہوگا اور نذر منعقد نہیں ہوگی۔ اور مالکیہ سے روایت ہے کہ جب عبادت کسی کے ساتھ متعلق کردینے کے مختص کردی گئی ہو جیسا کہ سر لٹے وغیرہ تو اس کو پورا کرنا واجب ہے وگرنہ نہیں امام محمد بن مسلمہ مالکی سے مسجد قبا کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(المجموع ۸/۳۷۷)

امام ابن بطال نے فرمایا :-

جس نے اولیاء اللہ کی مساجد میں نماز پڑھنے اور ان کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کا ارادہ نفلی طور پر کیا تو یہ مباح ہے ! اگرچہ اس میں سفر ہو۔ کیونکہ اس حدیث میں اس پر کوئی ممانعت نہیں

امام نووی فرماتے ہیں :-

ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح وہ قول ہے جس کو امام الحرمین اور محققین علما نے اپنایا ہے کہ یہ سفر نہ حرام ہے اور نہ ہی مکروہ باقی علما نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ فضیلت تامہ یہ ہے کہ شد الرحال خاص انہی تین مساجد کے ساتھ ہے۔

(شرح صحیح مسلم ۹/۱۰۶)

امام ابو محمد ابن قدامہ المقدسی الحنبلی فرماتے ہیں:۔

اگر قبور اور مشاہد کی زیارت کے لیے سفر کیا تو اس کے بارے میں امام ابن عقیل حنبلی نے فرمایا، کہ اس سفر میں قصر نہیں کیونکہ ایسا سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مساجد کے سوا کسی کی طرف سامان سفر نہ باندھا جائے۔

لیکن اس میں صحیح قول اباحت کا ہے اور اس سفر میں نماز قصر کی جائے گی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا پیدل اور سوار ہو کر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبور کی زیارت بھی فرماتے تھے۔ اور حکم فرمایا۔ کہ تم زیارت کیا کرو یہ تمہیں آخرت یاد کروایا کریں گی[1]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان،

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد، میں صرف تفضیل کی نفی ہے تحریم نہیں اور قصر نماز کی اباحت میں فضیلت شرط نہیں ہے لہذا فضیلت کی نفی نماز قصر کی اباحت کی نفی نہیں ہو گی۔ (المغنی ۲/۱۳-۱۴)

---

[1] زیارت مطلقاً ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کو مقتضی ہے! تو لفظ زیارت کو محمول کیا جائے گا انتقال پر خواہ سفر کے ساتھ ہو یا بغیر سفر کے۔ پس ابن قدامہ کا استدلال ایک فقیہ اور ماہر کا استدلال ہے۔ ابن تیمیہ نے ابن قدامہ کا تعقب کیا۔۔۔۔۔۔ اور کہا کہ زیارت کا لفظ بغیر سفر تک ہی محدود ہے ابن تیمیہ کا کلام محل نظر ہے۔ اور حق ابن قدامہ کے ساتھ ہے۔

اور اسی کے مثل امام ابوالفرج ابن قدامہ نے شرح الکبیر (۹۳/۲) میں بیان فرمایا۔

امام الحرمین نے فرمایا!

ظاہر اور واضح یہی ہے کہ نہ تو اس (غیر مساجد ثلاثہ کی زیارت) میں تحریم ہے اور نہ ہی کراہت۔ ایسے ہی شیخ ابو علی نے فرمایا اور اس حدیث کا مقصود صرف ان تین مساجد کے ساتھ قربت کی تخصیص بیان کرنا ہے۔

(الروضۃ: ۳۲۴/۲) و (المجموع: ۳۷۵/۸)

مذکورہ گفتگو سے معلوم ہوا کہ ان تین مساجد میں نماز دیگر مساجد کی نسبت زیادہ ثواب واجر رکھتی ہے لہذا نذر کا پورا کرنا صرف انہی کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور ان کے علاوہ تمام مساجد میں نماز کا ثواب برابر ہے اور ان کی طرف سفر مباح ہے اور اس میں نماز قصر جائز ہے

نذر پر محمول کرنے والوں کے دلائل:

اور اگر یہ پوچھا جائے کہ جو تم نے بیان کیا ہے اس کی تائید میں تمہارے پاس کچھ ہے تو میں اللہ کی توفیق و استعانت سے عرض کرتا ہوں۔ کہ جن لوگوں نے اس حدیث کو نذر کے ساتھ خاص کیا درج ذیل دلائل ان کی تائید کرتے ہیں۔

(۱) صحیح حدیث (کہ جس کی اسناد کے رجال مسلم کے راوی ہیں) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان خیر ما رکبت الیہ الرواحل	سب سے افضل جس کی طرف کجاوے کس کے
مسجدی ھذا والبیت العتیق۔	سفر کیا جائے وہ میری یہ مسجد اور اللہ کا

کا پاک گھر (خانہ کعبہ ہے)

اس حدیث کی تخریج آئندہ صفحات میں آئے گی (انشاء اللہ) اس حدیث میں صراحت ہے کہ ان دونوں (مسجد نبوی و مسجد حرام) کے علاوہ دیگر مساجد اور مقامات کی طرف بھی سفر جائز ہے۔

مسجد قبا میں دو رکعتیں، بیت المقدس کے سفر سے افضل ہیں

(۲) فہم صحابہ: یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حدیث (لا تشد الرحال) سے یہی سمجھا ہے کہ ان کے علاوہ۔ کسی اور مسجد کی طرف بھی سفر کرنا جائز ہے جیسا کہ۔

امام عمر بن شبہ نے (تاریخ المدینہ ۱/۴۳) میں روایت کیا۔

عبدالصمد بن عبدالوارث حدثنا صخر بن جویریہ عن عائشۃ بنت سعد بن ابی وقاص قالت سمعت ابی یقول: لأن اصلی فی مسجد قبا رکعتین أحب إلیّ من ان آتی بیت المقدس مرتین لو یعلمون ما فی قبا لضربوا إلیہ اکباد الابل

حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ (سعد بن ابی وقاص) سے سنا آپ نے فرمایا: مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھنا مجھے مسجد اقصیٰ میں دو مرتبہ جانے سے زیادہ پسند و محبوب ہے۔ اگر لوگ جانتے کہ مسجد قبا میں کتنا ثواب و برکت ہے تو لوگ اونٹوں کو اس سفر میں دوڑاتے۔

امام ابن حجر نے فرمایا

اسناد صحیح — اس کی سند صحیح ہے

(فتح الباری ۳/۶۹)

Marfat.com

مسجد قبا دنیا کے کسی کنارے پر بھی ہوتی ہم پھر بھی زیارت کیلئے جاتے

ابن ابی شیبہ نے اسی طرح "مصنف ۲/۳۷۳"، عبدالرزاق نے (مصنف ۵/۱۳۳) میں روایت کی۔

الثوری عن یعقوب بن مجمع	حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
بن حارثۃ عن ابیہ عن عمر	نے فرمایا کہ اگر مسجد قبا آفاق کے کناروں
بن الخطاب انہ: قال "لو کان	میں سے کسی کنارے پر ہوتی تو ہم
مسجد قبا فی افق من الآفاق	اس کی طرف بھی سفر کرتے۔
ضربنا الیہ اکباد المطی	

حضرت عمر راوی حدیث ہونے کے باوجود یہ فرمارہے ہیں:

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث (لا تشد الرحال) کے راوی ہیں اگر وہ جانتے کہ اس حدیث میں نہی تحریم کیلئے ہے تو وہ مسجد قبا کے بارے میں مندرجہ بالا قول ہرگز نہ فرماتے

اسکی اسناد حسن ہیں کیونکہ۔

یعقوب بن مجمع کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور اس سے امام ثوری جیسے امام نے روایت لی ہے۔ امام حافظ الذھبی نے (الکاشف ۲/۳۹۵) میں اس کی "توثیق" کی ہے اور ان کے والد مجمع بن جاریہ صحابی ہیں۔

اور اس اثر کی ایک اور سند بھی ہے جس کو امام عمر بن شبہ نے (تاریخ المدینۃ ۱/۴۹) میں بیان فرمایا ہے۔ اس میں راوی اسامہ بن زید بن اسلم ہے اگرچہ حفظ کی وجہ سے اسکی تضعیف کی گئی ہے لیکن وہ متابع اور شواہد کی صلاحیت رکھتا ہے

Marfat.com
Marfat.com

حضرت ابوہریرہ نے راوی حدیث ہونے کے باوجود طور کا سفر کیا۔

امام احمد نے (مسند ۶/۳۹۷) اور امام طبرانی نے (المعجم الکبیر ۲/۳۱۰) میں روایت کیا۔

مرثد بن عبداللہ الیزنی عن	حضرت ابوبصرۃ غفاری رضی اللہ عنہ
ابی بصرۃ الغفاری قال لقیت	سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوہریرہ
اباھریرہ وھو یسیر الی مسجد الطور	سے ملا اور وہ مسجد طور میں نماز پڑھنے
لیصلی فیہ قال فقلت لہ: لو ادرکتک	کی نیت سے جا رہے تھے میں نے آپ سے
قبل ان ترتحل ما ارتحلت	کہا اگر میں آپکو تیاری سے پہلے ملتا تو آپ
قال: فقال: ولم؟ قال: فقلت	سفر نہ کرتے تو حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ
انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ	کیوں؟ میں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ
وسلم یقول: لا تشد الرحال	صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا
الا الی ثلاثۃ: المسجد الحرام	تین مساجد کے علاوہ کسی طرف سامان
والمسجد الاقصی، ومسجدی	سفر نہ باندھو۔ اور وہ مسجد حرام
	مسجد اقصیٰ اور میری مسجد ہے۔

حضرت ابوہریرہ حضرت ابوبصرہ رضی اللہ عنہ سے اس حال میں ملے کہ آپ مسجد طور کی طرف سفر میں تھے تو جب حضرت ابوبصرہ نے حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث بیان فرمائی تو آپ واپس نہیں لوٹے اگر حضرت ابوہریرہ اس حدیث سے تحریم سمجھتے تو واپس پلٹ جاتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

بلکہ وہ سرے سے اس نیت کے ساتھ گھر سے نکلتے ہی نہ کیونکہ وہ تو خود اس حدیث کے راوی بھی ہیں۔ پس آپ رضی اللہ عنہ کا فعل اس پر دلالت کرتا ہے کہ

یہ حدیث ان کے نزدیک حرمت سفر پر دال نہیں۔

اکابر صحابہ کے فہم حدیث کے بعد کونسی دلیل کونسی حجت اور کونسی برہان کا مطالعہ کیا جا سکتا۔ ان سابقہ دلائل سے معلوم ہو گیا کہ حدیث لاتشد الرحال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کی زیارت کے لیے سفر پر ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔

اے مخاطب اس کے بعد کسی ایسے شخص کے کلام کیطرف مت دیکھو کہ جس کے کلام میں فقاہت و دانائی کوئی نہیں بلکہ وہ فقط کسی دوسرے کی رائے پر بغیر تامل اور غور و فکر کے عمل کر رہا ہے۔ یا پھر وہ تعصب اور عناد سے کام لے رہا ہے۔

اب ہم اس تصنیف کے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں اور وہ مقصد ہے توسل اور زیارت کی احادیث کی تخریج۔

نوٹ:۔ ہم کتاب کا حصہ احادیثِ زیارت شائع کر رہے ہیں۔

محمد خان قادری

تخریج احادیث الزیارۃ

حدیث ۱:۔

«من زار قبری وجبت له شفاعتی»

جس نے میری قبر انور کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہو گی۔

اس حدیث کو درج ذیل محدثین نے نقل کیا ہے۔

السنن	امام دارقطنی	۲/۲۷۸
الکنی والاسماء	امام الدولابی	۲/۶۴
شعب الایمان	الامام بیہقی	۳/۴۹۰
تلخیص المتشابہ فی الرسم	امام خطیب بغدادی	۱/۵۸۱
المذیل علی التاریخ	امام الابیشی	۲/ ۱۷۰
تاریخ المدینہ	ابن النجار	۱۴۲
الضعفاء	امام عقیلی	۴/۱۷۰
الکامل	امام ابن عدی	۶/۲۳۵۰
شفاء السقام	امام تقی الدین السبکی	ص۲ - ص۱۱

ان تمام حضرات نے یہ حدیث اس سند سے ذکر کی ہے موسیٰ بن ہلال العبدی عن عبید اللہ بن عمر و عبد اللہ بن عمر وہ دونوں حضرت امام نافع سے

اور وہ حضرت ابن عمر سے مرفوعًا روایت کرتے ہیں۔

یہ سند "حسن" ہے چاہے موسیٰ بن ہلال عبدی عبید اللہ بن عمر سے روایت کرے یا ان کے بھائی عبداللہ بن عمر یا ان دونوں سے روایت کرے۔

اس کو امام، عبدالحق اشبیلی نے صحیح کہا۔

اور امام سبکی نے شفاء السقام نے اس کو صحیح یا حسن کہا۔

امام سیوطی نے "مناهل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء" میں حسن کہا ہے۔ اور ان کے بعد کے متاخرین نے بھی اس کی تحسین کی ہے اس حدیث میں بعض علتیں بیان کی گئی ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی علت صحیح نہیں ہے۔ لیکن ہم ان کو بیان کر کے تفصیلاً ان کے جوابات عرض کریں گے (انشاءاللہ)

اس میں مندرجہ ذیل علتیں بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ موسیٰ بن ہلال مجہول ہے اور اس حدیث میں اضطراب ہے۔

۲۔ موسیٰ بن ہلال یہ روایت عبداللہ بن عمر العمری سے روایت کرتا ہے اور ——— اس کی روایت عبید اللہ بن عمر سے صحیح نہیں حالانکہ وہ ثقہ اور حافظ ہے۔

۳۔ عبداللہ بن عمر العمری ضعیف ہے۔

یہ علتیں صحیح نہیں ہیں اور ان علل کی بنا پر حدیث پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جا سکتا،

(۱) موسیٰ بن ہلال حسن الحدیث ہے، اس کے بارے میں امام ابن عدی نے کہا۔ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں امام ذہبی نے فرمایا یہ صالح الحدیث ہے۔ اس سے بہت سارے آئمہ کرام نے روایت لی ہے۔ ان جلیل القدر آئمہ میں سے امام احمد بن حنبل بھی ہیں۔

اور اگر موسیٰ بن ہلال ضعیف بھی ہو تو بھی یہ منفرد نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دیگر راوی اس کے متابع ہیں لہذا متشددین کے اعتراضات موسیٰ بن ہلال سے زائل ہو گئے۔

حدیث میں اضطراب کا دعویٰ وہاں صحیح ہوتا ہے جہاں روایات کے درمیان موافقت متعذر ہو۔

یہاں تو دو طرح سے موافقت ہو سکتی ہے جیسا کہ ان شاء اللہ آرہا ہے۔

۲:۔ یہ روایت موسیٰ بن ہلال عن عبید اللہ بن عمر سے کئی سندوں سے ثابت ہے اور عبید اللہ بن عمر ثقہ اور حافظ ہے تو عبید اللہ بن عمر سے روایت کے ثبوت میں طعن کرنے کی مجال نہیں ہے۔

۳۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ موسیٰ بن ہلال سوائے عبد اللہ بن عمر بن العمری کے کسی اور سے روایت نہیں کرتا تو بھی (کوئی حرج نہیں) کیونکہ عمری مذکور حسن الحدیث ہے جیسا کہ متعدد ائمہ حدیث نے بیان فرمایا ہے۔

یہ ابن الہادی جس نے، عبد اللہ بن عمر العمری کی تضعیف کو سر پہ اٹھا رکھا ہے اور اس کو اتارنے کے لیے تیار نہیں اور ان کے ضعف کی رٹ لگا رکھی ہے اس نے خود بھی (تنقیح التحقیق ۱/۱۲۲) میں ان سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے یہ تو ایک اجمالی خاکہ تھا یہی چیز ہم ذرا قدرے تفصیل سے عرض کرتے ہیں۔

(واللہ المستعان)

الف۔ اس بات کا اثبات کہ موسیٰ بن ہلال العبدی "حسن الحدیث" ہے۔ اس راوی پر کل جرح یہ ہے۔

امام ابو حاتم نے فرمایا۔ مجہول ہے (الجرح والتعدیل ۸/۱۶۶)
عقیلی نے کہا اس سے حدیث صحیح نہیں اور نہ یہ متابع بن سکتا ہے (الضعفاء ۴/۱۷۰)

امام دارقطنی نے سوالات البرقانی عن الدارقطنی میں کہا مجہول ہے۔ یہ ہے حاصل کلام جو اس راوی کو مجہول ہے ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ انہیں مجہول قرار دینا مردود ہے

اس راوی میں جہالت کا قول مردود ہے بلکہ یہ راوی معروف ہے۔ کیونکہ اس سے بہت سارے رواۃ نے روایت لی ہے ان آئمہ حفاظ حدیث میں سے امام احمد بن حنبل بھی ہیں ابن جوزی نے انہیں (مناقب الامام احمد ۷۹) میں امام احمد بن حنبل کے اساتذہ میں سے شمار کیا ہے۔

اور ان سے امام احمد حنبل کے علاوہ جن دیگر محدثین نے روایت لی ہے ان میں سے۔ احمد بن الخلیل و محمد بن اسماعیل الاحمسی وابو امیہ محمد بن ابراہیم الطرسوسی وعبید بن محمد الوراق وفضل بن سہل۔ جعفر بن محمد السزوری۔ محمد بن زنجویہ العبیری علی بن معبد ابن نوح۔ عباس بن الفضل۔ ہارون بن سفیان، محمد بن جابر المحاربی احمد بن ابی غرزہ۔ ابو محمد عبد الملک بن ابراہیم اور محمد بن عبد الرزاق وغیرہم ہیں۔

پندرہ راویوں کی روایت کے بعد بھی جہالت:

اور جہالت عین دو راویوں یا ایک راوی کے روایت کرنے سے اٹھ جاتی ہے جیسا کہ کتب اصول میں مقرر ہے تو جس سے پندرہ اشخاص روایت کر رہے ہوں اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ان میں جہالت باقی رہے گی؟

یہ راوی مجہول نہیں بلکہ معروف ہے اس پر یعقوب بن سفیان الفسوی نے،

Marfat.com

(معرفۃ وفیات لبعض البصریین میں اعتماد کیا ہے ملاحظہ فرمائیں (المعرفۃ والتاریخ ۱/۱۳۲ و ۱۲۷ و ۱۲۸)

راوی مستور الحال بھی نہیں:

اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ راوی مجہول الحال ہے تو یہ بات بھی ان دو امور کی بناء پر مردود ہے۔

۱:۔ امام ابن عدی کا فرمان ۔ ارجوانہ لاباس بہ ۔ کہ اس راوی میں کوئی حرج نہیں (الکامل ۶/۲۳۵)

اور کتب اصول میں یہ بات مقرر ہے کہ تعدیل صرف ایک آدمی کے قول سے قبول کر لی جائیگی۔

تو جس شخص سے ایسے پندرہ اشخاص روایت کریں اور جن میں سے آئمہ وحفاظ بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ابن عدی کا قول: لاباس بہ، بھی ہے تو یقیناً، اس سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ راوی مجہول نہیں ہے بلکہ اس کی حدیث مقبول ہے اور یہی حال بہت سارے رواۃ کا ہے کہ جن کی احادیث کی آئمہ حفاظ نے تصحیح کی ہے

۲۔ ان سے امام احمد نے روایت کی (مناقب احمد لابن الجوزی ۹۴) اور وہ ثقہ کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے جیسا کہ اپنی جگہ پر مسلم ہے۔

ابن عبدالہادی کا جواب:۔

اور اگر کہا جائے کہ، ابن عبدالہادی نے (الصارم المنکی ۴۰-۴۱) میں اس بات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

کہ امام احمد صرف ثقات سے ہی روایت کرتے ہیں تو یہ غالب اوقات میں

Marfat.com

سے ہے اور آپ کا اکثر طور پر یہی طریقہ ہے کہ آپ ثقہ سے ہی روایت کرتے تھے جیسے کہ عام طور پر امام شعبہ (امام مالک، امام عبدالرحمن بن مہدی، امام یحییٰ بن سعید القطان وغیرہم کا طریقہ وعمل ہے لیکن بعض اوقات امام احمد ایسے راویوں سے روایت کرتے ہیں جن کی طرف ضعف اور قلت ضبط کی نسبت کی گئی ہے اور امام احمد نے ان راویوں سے بطور تائید اور شواہد کے روایت لی ہے نہ کہ اجتہاد اور اعتماد کے طور پر جیسے کہ آپ نے عامر بن صالح الزبیری، محمد بن قاسم الاسدی، عمر بن ہارون البلخی، علی بن عاصم الواسطی، ابراہیم بن ابی اللیث الاشجعی، یحییٰ بن یزید بن عبدالملک النوفلی، نصر بن باب تلید سلیمان الکوفی، حسین بن حسن الاشقر، ابوسعید الصاغانی، محمد بن یسار اور ان جیسے دیگر رواۃ کہ (جن میں کلام مشہور ہے) سے روایات لی ہیں۔ اور اسی طرح آپ نے موسیٰ بن ہلال سے روایت (اگر ثابت ہو جائے تو) لی ہے[1]

---

[1] یہ تو موسیٰ بن ہلال پر بہت بڑا اور واضح ظلم ہے ابن عبدالہادی نے کیسے موسیٰ بن ہلال اور مذکور حضرات کو برابر قرار دیدیا۔ ان میں سے کئی موسیٰ بن ہلال سے بہت زیادہ ضعیف ہیں جیسا کہ عامر بن صالح الزبیری اس کو ابن معین نے جھوٹا کہا ہے۔ اور محمد بن قاسم الاسدی۔ کذاب، ہے اور عمر بن ہارون البلخی، متروک ہے۔ ابراہیم بن ابی لیث بھی، متروک ہے۔ ان مثالوں سے صاحب تحقیق قاری پر ابن عبدالہادی کی نکمی کوشش جو کہ موسیٰ بن ہلال عبدی کی تضعیف میں کی سے ظاہر ہو گئی اور اس کے متشدد طریقہ کا پردہ بھی چاک ہو گیا۔

جواب کا تفصیلی رد

میں کہتا ہوں کہ کئی امور قابلِ توجہ ہیں۔

۱:- امام احمد سوائے ثقہ کے روایت نہیں کرتے۔ اور اگر کبھی ضعفاء سے روایت لیتے ہیں! اور اس کے کئی اسباب ہیں یہ کہ آپ پر اس کی تضعیف ظاہر نہیں ہوتی۔

۲:- آپ اس سے بطریق تعجب روایت کرتے ہیں جیسے کہ امام شعبہ جابر جعفی اور محمد بن عبید اللہ العرزی سے روایت کرتے ہیں۔

۳:- یا پھر آپ ان سے جو روایت کرتے ہیں وہ حلال وحرام کے بارے میں نہیں ہوتی۔ البریذی کے ترجمہ میں ہے۔ جیسا کہ موسیٰ بن علیدہ کے ترجمہ میں ہے۔

جب یہ امر واضح ہوگیا تو اب یہ بات مسلم ہوگئی کہ امام احمد بن حنبل سوائے ثقہ کے کسی سے روایت نہیں کرتے۔

تو کیا موسیٰ بن ہلال سے امام احمد بن حنبل کا روایت لینا ان کی تقویت کے لیے مفید ہوگا کہ نہیں؛

میں کہتا ہوں کہ امام ابن ابی حاتم الرازی نے (الجرح والتعدیل ۲/۳۶) میں لکھا کہ میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ ثقہ آدمی غیر ثقہ سے روایت کرے تو کیا اس سے اس کی ثقاہت ثابت ہوگی؛ فرمایا کہ جب وہ ضعف میں مشہور و معروف ہو تو اس سے ثقہ کی روایت اس کو ثقہ نہیں کرے گی اور جب مجہول ہو تو اس سے روایت اس کو نفع دے گی۔

پھر ابن ابی حاتم نے فرمایا۔

میں نے شیخ ابو زرعہ سے پوچھا کہ ثقات کی کسی شخص سے روایت اس

کی حدیث کو قوت دے گی ؟ فرمایا یعنی العمری : میں نے کہا الکلبی : اس سے امام سفیان ثوری نے روایت کی ہے فرمایا یہ تب ہے جب علما نے اس پر جرح و کلام نہ کیا ہو اور کلبی، میں علما کا کلام مشہور ہے۔

امام ابو زرعہ نے فرمایا۔

حدثنا ابو نعیم، نا سفیان، نا محمد ابن سائب الکلبی وتبسم الثوری : ہمیں بیان کیا ابو نعیم نے انہوں نے سفیان سے انہوں نے محمد بن سائب الکلبی سے اور ثوری مسکرائے۔

شیخ ابو محمد نے کہا میں نے اپنے باپ سے پوچھا جب امام ثوری کے نزدیک کلبی ضعیف ہے تو پھر اس سے ان کی روایت کا کیا مطلب ؟

تو انہوں نے فرمایا۔

امام سفیان ثوری کلبی سے انکار اور تعجب کے طور پر روایت کرتے ہیں!

اس سے علم ہوا کہ امام ابو زرعہ کی نظر میں ثقہ کی روایت (غیر ثقہ سے) دو حالتوں میں مقبول اور مفید ہے!

(۱) جس سے روایت کی گئی ہے وہ مجہول الحال ہو۔ (اس کی مثالیں کتب رجال میں بے شمار ہیں)

(۲) وہ ضعف میں حد سے نہ بڑھا ہوا ہو۔ جیسا کہ محمد بن سائب الکلبی، جابر الجعفی و عامر بن صالح الزبیری، عمر بن ہارون البلخی اور ان جیسے دیگر روات تو امام احمد کا موسیٰ بن ہلال العبدی سے روایت لینا اس کی تقویت کے لیے کافی ہے کیونکہ وہ بعض کے نزدیک مجہول الحال ہے۔ امام احمد نے اس سے اپنی کتب میں روایت کا اخراج کیا ہے۔ اس سے آپ نے اپنی کتاب الزھد میں روایت لی ہے اور امام الفسوی نے امام احمد اور موسیٰ بن ہلال کی سند سے

روایت کی ہے۔

علی سبیل التنزل اگر مان لیا جائے کہ موسیٰ بن ہلال مجہول الحال ہے، تو پھر بھی وہ اسطرح۔ حسن الحدیث شمار ہو گا۔

امام زرکشی نے (المعتبر فی تخریج احادیث المنہاج والمختصر ۲۲۶) میں فرمایا کہ محدثین نے فرمایا ہے۔ راوی کی جہالت اس کی روایت میں قادح نہیں جبکہ اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو کیونکہ اس کی اس سے روایت اس کی تعدیل ہو گی۔

[illegible] اصل کلام یہ کہ۔ موسیٰ بن ہلال پر ابن عبدالہادی کے جہالت کا اطلاق کرنے میں واضح [illegible] ہے۔ یہ دیکھو کیا کہہ رہا ہے یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے۔

جب بات اصولوں کے مطابق ہو گی تو وہی حق ہو گی۔ اور اگر اصولوں کے خلاف ہو تو اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ (اللہ ہی مددگار ہے)

امام عقیلی کا (الضعفاء ۴/۱۷۰) میں یہ کہنا کہ اس کی حدیث صحیح نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی متابع [illegible] ہے پس ناظر اور مدقق اس میں غور کرے تو اس کا آخر [illegible] کہ اس کا [illegible] کوئی نہیں یہ پہلے اعتراض (کہ اس کی حدیث صحیح نہیں ہے) کا سبب ہے! کیونکہ موسیٰ بن ہلال کا متابع نہیں ہے یعنی (حدیث زیارت اس کی صحیح نہیں عقیلی کی نظر اور اطلاع میں)

اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے۔

اس کا قول۔ کہ اس کا متابع کوئی نہیں (اور اس اعتراض کی اصل بنیاد ہی یہ ہے) لیکن یہ کوئی جرح ہی نہیں ہے اور نہ ہی محدثین نے اس کو مراتب الجرح میں ذکر کیا یہ تو صرف تفرد کی ایک علامت ہے

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

اکثر حافظ متقدمین ایسی حدیث کے بارے فرماتے ہیں جس میں ایک راوی متفرد ہو اگرچہ ثقات راوی اس متفرد کے خلاف روایت نہ کریں اور اس پر کوئی متابع بھی نہ ہو تو وہ اس کو حدیث میں علت گردانتے ہیں۔

(شرح علل الترمذی ص۲۶۴)

پس امام عقیلی کے نزدیک راوی توثیق کے اعلیٰ درجے پر نہ ہو کہ وہ اس کے منفرد ہونے کی حالت میں اس کی تصحیح کریں۔ اور اس کا متابع بھی نہ ہو اور یہ جرح کا درجہ دنیا میں کہیں بھی نہیں کہ اس کی حدیث ترک کر دی جائے وہ صالح حدیث یا درمیانے درجہ کا ثقہ ہوگا۔

اور اس راوی کا تو متابع بھی موجود ہے جیسا کہ انشاءاللہ ابھی بیان ہوگا پس یہ حدیث مقبول ہے۔ حتیٰ کہ عقیلی کے نزدیک بھی یہ مقبول ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی نے تعقب کرتے ہوئے فرمایا۔

امام ابن حجر عسقلانی نے عقیلی پر تعاقب کرتے ہوئے (تلخیص الحبیر ۲/۲۶۷) میں فرمایا اور عقیلی کا یہ قول کہ اس پر کوئی متابع نہیں ہے محل نظر ہے پھر آپ نے اس کی متابعت بیان فرمائی جو آرہی ہے۔

اور سب سے بہتر قول وہی ہے جیسا کہ گزرا کہ یہ شخص مجہول نہیں ہے۔ اور سوائے عقیلی کے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں اور اس کا کوئی متابع نہیں اور کوئی قول مروی نہیں۔ اور اگر اس کو جرح تسلیم کر لیا جائے تو بھی متابعت سے زائل ہو جائے گی۔

اور عقیلی کے مقابلے میں ابن عدی کا قول جو کہ انہوں نے (الکامل ۶/۲۳۵۰) میں بیان کیا۔ کہ میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس کی توثیق ہے اور اس کے ساتھ ساتھ امام احمد بن حنبل کا اس سے روایت کرنا بھی ضمنی توثیق و تعدیل ہے تو موسیٰ بن بلال کی حدیث کی تحسین کرنا ہی صحیح راہ ہے!

امام ذہبی فرماتے ہیں!

امام ذہبی نے ابو حاتم، عقیلی اور ابن عدی سے موسیٰ بن ہلال کے بارے میں اقوال درج کرنے کے بعد فرمایا۔ ھو صالح الحدیث وہ صالح الحدیث ہے۔

(المیزان ۴/۲۲۶)

(دوسری بات)

موسیٰ بن ہلال کی عبید اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عمر سے روایت کا اثبات!

موسیٰ بن ہلال العبدی کی روایت میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ موسیٰ بن ہلال عبید اللہ بن عمر (المصغر) سے روایت کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ وہ عبد اللہ بن عمر (المکبر) سے روایت کرتا ہے۔

جن محدثین نے کہا کہ اس نے عبید اللہ بن عمر (المصغر) الحافظ ثقہ سے روایت کی ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) عبید بن محمد الوراق (۲) جعفر بن محمد البزوری

(۳) محمد بن اسماعیل بن سمرہ الاحمسی (۴) فضل بن سہل

(۵) اور محمد بن عبد الرزاق۔

پہلی عبید بن محمد الوراق والی روایت کو امام دارقطنی نے اپنی (سنن ۲/۲۷۸)

Marfat.com

میں یوں نقل کیا ہے قاضی المحاملی انہوں نے عبید بن الوراق انہوں نے موسیٰ بن ہلال العبدی اور انہوں نے عبیداللہ بن عمر سے روایت کی میں کہتا ہوں۔ قاضی المحاملی سے مراد ابو عبداللہ الحسین بن اسماعیل الضبی المحاملی ثقہ حافظ ہے اور الوراق ثقہ ہے ان کے حالات (تاریخ بغداد ۱۱/۹۷) میں ہیں۔

سنن دارقطنی کے کئی متعدد معتمد نسخے عبیداللہ بن عمر (المصغر) کے ذکر پر متفق ہیں ان نسخوں میں سے ابن بشران کا مطبوعہ نسخہ اور ابو طاہر محمد بن احمد بن عبدالرحیم کا نسخہ جیسا کہ شفاء السقام (ص ۳) اور ابو نعمان تراب بن عبید کا نسخہ جیسا کہ (شفاء السقام ص۵) میں ہے۔

اور اس کو خلعی نے اپنے فوائد میں ابو نعمان کی روایت سے بیان کیا ہے (ل ۱/۵۵) اور اسی طرح دارقطنی کی روایات عبیداللہ بن عمر (المصغر) کے ذکر پر متفق ہیں اور قاضی المحاملی کا متابع عبید بن محمد الوراق سے محمد بن زنجویہ العبدی ہے۔

دوسری روایت: جعفر بن محمد البزوری کی ہے اس کو عقیلی نے (الضعفاء ۴/۱۷۰) میں محمد بن عبداللہ الحضرمی ثنا جعفر ابن محمد البزوری، ثنا موسیٰ بن ہلال البصری عن عبیداللہ کی سند سے بیان کی ہے۔

اور محمد بن اسماعیل بن سمرہ الاحمسی کی سند تو اس کو امام بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۴۹۰) ۔ ۴۳۷۰ ۔ میں بیان فرمایا اس کو باسند بیان کیا امام تقی الدین السبکی نے (شفاء السقام ص ۷) میں۔

اور فضل بن سہل کی روایت اس کو امام بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۴۹۰) میں بیان فرمایا۔ اور محمد بن عبدالرزاق کی روایت اس کو قاضی عیاض نے (الشفاء ۲/۷۴) بیان فرمائی ہے۔

یہ پانچ راوی ہیں یہ سب عبیداللہ بن عمر جو کہ ثقہ اور حافظ سے روایت کرنے میں متفق ہیں تو اب اس کے بعد حدیث میں طعن کی کوئی گنجائش و مجال کہاں ہے۔

فصل

جنہوں نے عبداللہ بن عمر العمری المکبر سے روایت کی وہ یہ ہیں

۱:۔ علی بن معبد بن نوح۔

۲:۔ فضل بن سہل

۳:۔ محمد بن اسماعیل الاحمسی

۴:۔ عبید بن محمد الوراق

علی بن معبد بن نوح کی روایت کو: الدولابی نے (الکنی والاسماء ۲/۶۴) میں بیان فرمایا۔ فضل بن سہل سے سند بیان کی امام تقی الدین السبکی نے ابن ابی الدنیا کے طریق سے (الشفاء السقام ۹) میں بیان فرمایا۔

اور محمد بن اسمٰعیل الاحمسی کی روایت۔ امام بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۴۹۰) میں بیان فرمائی۔ اور۔ الوراق کی روایت کو خطیب نے (تلخیص المشابہ فی الرسم ۲/۵۸۱) میں بیان فرمایا۔ حاصل کلام یہ کہ یہ روایت موسیٰ بن ہلال العبدی سے چھ راویوں نے روایت کی ان میں سے پانچ راوی عن عبیداللہ المصغر کہتے ہیں اور تین راوی دونوں طریقوں سے روایت کرتے ہیں۔ اور پانچواں، راوی عن عبیداللہ بن عمر اکیلا کہتا ہے۔

اور محدثین کے اس میں دو مسلک ہیں۔

۱:- یا تو ترجیح دی جائے گی۔ اس طرح عبیداللہ بن عمر (المصغر) کی روایت کو ترجیح ہو گی۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ۔ احتمال ہے کہ حدیث (بیک وقت) عبیداللہ المصغر اور اس کے بھائی عبداللہ المکبر دونوں سے ہو۔ اور ان دونوں سے راوی۔ موسیٰ بن ہلال العبدی ہو مگر یہ کہ وہ زیادہ روایت عبیداللہ بن عمر المصغر حافظ ثقہ سے کرتے ہوں اور البانی متشدد ہونے کے باوجود دونوں روایتوں کا اعتراف کرتا ہے (عبیداللہ وعبداللہ ابنا عمر) اور کہتا ہے کہ یہ اس سے دونوں روایتیں متقارب ہیں (الارواء الغلیل ۴/۳۳۷)

لیکن اس میں علت پر بحث کی تو سوائے اضطراب کے اس میں کوئی علت بیان نہ کر سکا لیکن اس علت سے یہ حدیث کیسے ضعیف ہو سکتی ہے اور اس کا جواب بھی ہم ابھی دیں گے (انشاءاللہ)

حاصل کلام یہ کہ سابقہ تمام ابحاث سے معلوم ہوا کہ یہ روایت موسیٰ بن ہلال العبدی عن عبیداللہ بن عمر امام ثقہ حافظ سے ایسے ہی ثابت ہے جیسا کہ پہاڑ اپنی جگہ قائم ہوتا ہے۔

فصل

اگر کوئی کہے کہ ابن عبدالهادی نے (الصارم المنکی ۳۹، ۴۰) میں کہا ہے کہ موسیٰ بن ہلال کبھی تو عبیداللہ سے روایت کرتا ہے اور یہ اس کی خطا ہے کیونکہ وہ محدثین میں سے نہیں ہے اور نہ ہی نقل حدیث میں مشہور ہے اور اس نے عبیداللہ کو پایا بھی نہیں ہے اور نہ ہی اس سے ملا ہے۔

کیونکہ بعض راوی اس سے: عن رجل عن عبیداللہ کے طریق سے روایت نہیں کرتے بلکہ کسی اور شخص سے عن عبیداللہ کے طریق سے روایت کرتے ہیں چونکہ عبیداللہ اس سے بہت پہلے وفات پاچکا تھا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، بخلاف عبداللہ کے کیونکہ وہ اپنے بھائی عبیداللہ کے بعد ایک زمانہ تک زندہ رہا۔ اور موسیٰ بن ہلال ان دونوں بھائیوں۔ عبیداللہ اور عبداللہ میں تمیز نہ کر سکا کہ یہ دو شخص ہیں کیونکہ وہ اہلِ علم میں سے نہیں اور نہ ہی ضبط کے سلسلہ میں وہ قابلِ اعتماد ہے۔

میں اللہ کی مدد سے کہتا ہوں۔

یہ سراسر زیادتی اور تشدد ہے اور یہ ایسا دعویٰ ہے جو خلاف واقع ہے اور سوائے تعصب کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر کچھ لوگ (مثل البانی کے) اس کلام سے استدلال نہ کرتے تو ہم اس پر تنبیہ بھی نہ کرتے۔

قولہ موسیٰ بن ہلال کا کبھی عبیداللہ سے روایت کرنا خطا ہے۔

قلت: بلکہ موسیٰ بن ہلال کا عبیداللہ بن عمر سے صحیح اسانید کے ساتھ روایت کرنا بعض اوقات نہیں بلکہ اکثر اوقات ہے۔ اور اس کے مخارج متعدد ہیں اور اسی طریق سے اس سے پانچ راویوں نے تخریج کی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے جب ابن عبدالہادی اس حدیث میں دعویٰ اضطراب کو ثابت نہ کر سکا تو اس نے اس کی مزید تائید کے لیے موسیٰ بن ہلال کی عبیداللہ بن عمر سے روایت کا انکار کر دیا اور اس پر دو باتوں سے استدلال کیا۔

ا۔ موسیٰ بن ہلال نے عبیداللہ بن عمر کو نہ پایا ہے اور نہ ہی اس سے ملا ہے۔

قلت: بلکہ اس نے ان کو یقیناً پایا ہے۔

کیونکہ موسیٰ بن ہلال نے ان سے متقدم الوفات حضرات سے روایت کی

ہے۔ مثل کھمس بن الحسن البصری المتوفی ۱۴۳ھ (المعرفۃ والتاریخ للفسوی) اس سے روایت حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۶/۲۱۳) میں بھی ہے۔ اور اس نے ہشام بن حسان سے روایت کی جیسا۔ (کتاب الزہد ۲۷۹ للامام احمد) اور (الحلیۃ الاولیاء ۶/۲۱۲) میں ہے۔ اور ہشام بن حسان ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ کو فوت ہوا۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو موسیٰ بن ہلال کی روایت عبیداللہ بن عمر میں بالیقین صحیح ہے کیونکہ اس نے اس کو واضح طور پر پایا ہے پھر یہ بھی ثابت ہے کہ وہ حجاز بھی گیا تھا جیسا کہ۔ (حلیہ ۶/۲۱۳) میں ہے! تو اس سے مزید موسیٰ بن ہلال کی عبیداللہ بن عمر سے روایت کی تائید و تاکید ہوتی ہے۔

۲۔ قولہ بعض راوی اس سے بالواسطہ عن عبیداللہ روایت کرتے ہیں اور بعض بلا واسطہ موسیٰ بن ھلال عن عبیداللہ روایت کرتے ہیں!

میں کہتا ہوں: یہ تو بالکل آسان معاملہ ہے اور کمزور دلائل اکٹھا کرنے کا محتاج نہیں۔ اور ان میں کثرت دلائل کے مدد سے صرف تنظر ہی اہل نظر کے لیے بہتر ہے۔ لیکن بعض حضرات نے اس کا سہارا لیا ہے اس لیے ان کا رد ضروری ہے۔

جاننا چاہیئے کہ یہ کلام لفظ بعض کی وجہ سے مخدوش ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ بعض رواۃ اس کو عبیداللہ العمری سے ایک واسطہ کے ذریعے سے بیان کرتے ہیں۔ یہ تو اجمال ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے۔

جن راویوں نے موسیٰ بن ہلال سے روایت کیا ہے ان میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں ان میں سے یحییٰ بن سعید و عبدالرزاق و حماد بن اسامہ و ابو معاویہ اور دیگر راوی عن عبیداللہ بن عمر ہیں۔

اور ان میں سے ابوامیہ الطرسوسی و علی بن سعید بن نوح البغدادی یہ دونوں

Marfat.com

روح بن عبادہ عن عبیداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں! اور ان میں سے محمد بن اسماعیل الاحمسی و محمد بن جابر المحاربی ہیں یہ دونوں عن وکیع عن عبیداللہ بن عمر کے طریق سے روایت کرتے ہیں اور آخری (محمد بن جابر) عن ابن عیینہ عن عبیداللہ بن عمر سے روایت کرتا ہے۔

الغرض ضروری ہے کہ اس حدیث موسیٰ بن ہلال عن عبیداللہ بن عمر کی سند پر اتصال کا حکم لگایا جائے جب تک کہ ملاقات کی نفی کا یقین نہ ہو بلکہ اس میں تو ملاقات کو ترجیح ہے تو اب اس پر اتصال کا حکم لگایا جائے گا اور پھر ابن عبد عبدالہادی کا یہ کہنا کہ موسیٰ بن ہلال عبیداللہ اور عبداللہ میں امتیاز نہیں کرتا اور یہ نہیں جانتا کہ یہ دو مختلف اشخاص ہیں اور پھر اس پر استدلال اس بات سے کیا کہ وہ چونکہ اہل علم میں سے نہیں اور نہ ہی ضبط کے معاملہ پر اعتماد کیا جاسکتا ہے

میں کہتا ہوں: یہ بات ابن عبدالہادی کے دعویٰ اضطراب (جو اس نے اس حدیث کے بارے میں کیا ہے) کے تابع ہے جس کا رد ہم انشاء اللہ کریں گے۔

جس سے پندرہ اشخاص روایت کریں اور ان میں سے مشہور حفاظ حدیث بھی ہوں جو کہ توثیق کے اعلیٰ درجہ میں ہیں۔

(ان میں سے ابن عبدالہادی اور اس کے مذہب کے امام احمد بن حنبل شیبانی ہیں)

تو کیا انتہا ہوگی تردد، سقوط اختلاط اور جہالت کی کہ جس شخص نے اس حدیث میں اضطراب کا قول کیا ہے اور پھر اس صورت میں بھی عبدالہادی کا کیا حال ہوگا۔ حالانکہ حافظ جلیل یعقوب ابن سفیان الفسوی نے (معرفۃ وفیات المصریین ۱/۱۲۲، ۱۲۷، ۱۲۸) میں اس پر اعتماد کیا ہے!

اب مقصد کا پانا اور سہل ہوگیا۔ پس حدیث نصر المتن اور مشہور الاسناد ہوگی۔

Marfat.com

اب اس پر اضطراب کا دعویٰ بہت ہی عجیب ہے جو کرنا آسان ہے مگر ثابت کرنا مشکل۔

محدثین کے نزدیک یہ اصول طے شدہ ہے کہ اضطراب ایسی مختلف روایات میں ہوتا ہے جن کا جمع ہونا متعذر یا ناممکن ہو۔ پس اس باب میں تین مراتب ہونگے تطبیق، ترجیح اضطراب اور تینوں میں ترتیب واجب ہے۔

حافظ عراقی نے فرمایا:

مضطرب الحديث ما قد وردا مختلفاً من واحد فازيدا
في متن أو سند ان اتضح فيه تساوي الخلف أما إن رجح
بعض الوجوه لم يكن مضطربا والحكم للراجح منها وجبا

کسی ایک راوی یا زیادہ سے جب کسی حدیث میں مختلف الفاظ وارد ہوں تو وہ مضطرب الحدیث ہوگی)

یہ متن یا سند میں اگر واضح ہو جائے اور سند میں برابری ہو تو اس میں سے ایک کو ترجیح دی جائیگی تو یہ اب مضطرب کے حکم میں نہیں کیونکہ راجح کے لیے حکم واجب ہے یعنی راجح پر عمل ہوگا نہ کہ مرجوح پر جب موسیٰ بن ہلال سے تمام روایات دونوں طرف سے صحیح ثابت ہوگئیں تو ان احادیث کو جمع کرنا لازم ہے تو ہم کہیں گے کہ موسیٰ بن ہلال دونوں وجہوں سے روایت کرتا ہے کبھی ایک طریقہ پر اور کبھی دوسرے راوی سے دوسرے طریقہ سے (واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب)

فصل

ابن عبدالہادی نے (الصارم ص۴۴ پر کہا۔

اگر بالفرض موسیٰ بن ہلال کی روایت عبیداللہ سے ثابت بھی ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث صحیح ہو کیونکہ اس میں عبیداللہ سے یہ روایت کرتے میں اس کے تمام اصحاب میں سے موسیٰ بن ہلال منفرد ہے حالانکہ عبیداللہ کے دوسرے اصحاب موسیٰ کی نسبت زیادہ اس کے پاس رہے اور اس سے زیادہ وہ اس کی حدیث کے حافظ اور اس سے حفظ و ضبط میں وہ موسیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں یہ تمام اشیاء ظاہر کرتی ہیں کہ یہ حدیث منکر اور غیر محفوظ ہے۔ اور عبیداللہ کے اصحاب اس سے روایت کرتے میں معروف ہیں جیسا کہ یحییٰ بن سعید القطان پھر عبیداللہ کے کچھ اصحاب گنوا کر کہا۔

کہ ان تمام مضبوط اصحاب میں سے کسی نے بھی عبیداللہ سے یہ روایت نہیں کی اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور ثقہ راوی نے یہ روایت اس سے لی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ منکر اور غیر مقبول ہے اور ہم یقین سے کہتے ہیں جس نے بھی اسے صحیح یا حسن کہا اس نے خطا کی۔

منکر کے دو شرائط

میں کہتا ہوں جب راوی منفرد ہو تو اس روایت کو منکر کہنے کے دو شرائط ہیں۔

۱:- یہ کہ منفرد راوی اتنا ضعیف ہو کہ اس کی حدیث کو صحیح یا حسن قرار نہ دیا جا سکتا ہو۔

۲:- یہ کہ اس حدیث کے شواہد و متابعات نہ پائے جائیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

جب مستور یا موصوف لسوء حفظ راوی منفرد ہو یا وہ راوی بعض مشائخ میں

ضعیف ہو بجائے بعض کے اور کوئی اس کا متابع یا شاہد بھی نہ پایا جائے تو یہ منکر کی اقسام میں سے ایک قسم ہے (النکت ، ۲ : ۶۷۵)

اور موسیٰ بن ہلال العبدی نہ تو مستور ہے اور نہ ہی اس کا حافظہ کمزور اور نہ ہی یہ اسقدر ضعیف ہے تو اس کی حدیث پر یہ حکم کیسے لگایا جائے گا ؟ جبکہ اس سے ائمہ محدثین مثلاً امام احمد بن حنبل کے روایت لی ہے۔ اور امام ابن عدی اس کے بارے میں فرماتے ہیں لا بأس به (کہ اس میں کوئی حرج نہیں) اور امام ذہبی فرماتے ہیں : صالح الحدیث۔ اور اگر ہم ایسے شخص کے تفرد کو منکر تسلیم کرلیں تو ہم سنت کے بیشتر و وافر حصہ سے محروم ہو جائیں گے۔ واللہ المستعان ، اور اگر ہم ابن عبدالہادی سے متفرد موسیٰ بن ہلال کی تضعیف تسلیم بھی کرلیں تب بھی اس کی منفرد روایت پر منکر کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے شواہد بہت سارے ہیں بلکہ اس کے متابع بھی ہیں ! (جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا انشاء اللہ) یہ وہ اصول حدیث ہیں جن سے ابن عبدالہادی نے اپنی تائید کے لیے غفلت سے کام لیا۔

فصل !

اگر ہم موسیٰ بن ہلال العبدی کو ضعیف بھی تسلیم کرلیں تو بھی کوئی دو شخص اس میں اختلاف نہیں کر سکتے (بشرطیکہ ان میں سے ایک ابن عبدالہادی نہ ہو) کہ جب اس حدیث کا متابع پایا جائے اور یہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے ، تو حدیث حسن ہوگی۔

امام طبرانی نے (المعجم الکبیر ۱۲/ ۲۹۱) میں اس سند کے ساتھ روایت کی۔

عبداللہ بن محمد العبادی البصری، ثنا مسلم بن سالم الجهنی حدثنی عبید اللہ بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جاءنی زائرا لا یعمل له حاجۃ الا زیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعا یوم القیامۃ	بسند مذکور۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی صرف میری قبر کی زیارت کے لیے آیا کہ اسکے علاوہ اس کو کوئی اور کام نہیں تھا تو مجھ پر حق ہے کہ میں بروز قیامت اس کا شفیع بن جاؤں۔

امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد ۴/۲) میں کہا۔

اس کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط اور المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں مسلمہ بن سالم راوی ضعیف ہے! اسی طرح اس کو طبرانی۔ خلعی اور ابن صاعد نے روایت کرتے ہوئے کہا، عن نافع عن سالم اور امام ابن المقری نے بھی اپنی معجم میں عن نافع وسالم ہی کہا ہے۔

ان تمام نے، عبداللہ بن محمد العبادی عن مسلمہ عن عبید اللہ العمری کی سند سے بیان کی ہے۔ اور عبداللہ بن محمد العبادی البصری کے حالات۔ امام سمعانی نے: الانساب: میں تحریر کیے ہیں۔ اور اس کا متابع (جو اس سے ثقاہت میں بہتر ہے مسلم بن حاتم الانصاری ہے۔

اس کو ابن حبان۔ ترمذی اور طبرانی نے ثقہ کہا ہے۔

(التهذیب ۱۰/۱۲۵)

وہ اس کو مسلم بن سالم الجھنی عن عبداللہ بن عمر العمری کی سند سے بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ حدثنی نافع عن سالم عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جاءنی زائراً لا یعمل لہ حاجۃ الا زیارتی کان حقا علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ

میں کہتا ہوں جو روایت مسلم بن حاتم الانصاری نے کی ہے وہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ مسلم، عبداللہ بن محمد العبادی سے زیادہ ثقہ ہے حاصل کلام یہ کہ مسلم بن سالم الجھنی تک سند صحیح ہے لہذا اسی پر کلام کرتے ہیں!

پھر میں کہتا ہوں کہ اگرچہ امام ابو داؤد نے اس کے بارے فرمایا کہ یہ ثقہ نہیں ہے لیکن ابن السکن نے اس کی روایت کو صحیح کہا ہے اور یہ بات اس چیز کی مقتضی ہے کہ وہ اس (ابن السکن) کے نزدیک ثقہ ہو۔

پس جس کی توثیق ابن السکن کرے اور ابو داؤد اس کی تضعیف کرے تو وہ راوی بلاشک متابع بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فصل!

ابن عبدالہادی یہاں بھی اپنی عادت کے مطابق بے چین ہوا اور اس نے اس متابعت کو ضعیف کہتے ہوئے کہا۔

یہ حدیث ضعیف الاسناد اور منکر المتن ہے یہ احتجاج کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور اس جیسی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اس کو اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے روایت نہیں کیا اور نہ ہی امام احمد نے اپنی مسند میں اور نہ ہی کسی قابل اعتماد آئمہ میں سے کہ جنہوں نے اپنی کتب میں صحت کا احترام کیا۔ اور نہ ہی کسی قابلِ اعتماد امام نے اس کو صحیح کہا کہ جس کی تصحیح پر اعتماد کیا

جا سکے۔ اور اس میں یہ شیخ منفرد ہے کہ جو نقل علم میں معروف نہیں اور نہ ہی حمل حدیث میں مشہور ہے۔ اور نہ ہی اس کا حال ظاہر ہے کہ جس بنا پر اس کی خبر کو قبول کیا جائے، اور وہ مسلمہ بن سالم الجہنی ہے کہ جو اس منکر روایت کے علاوہ کسی اور روایت کے ساتھ مشہور نہیں ہے اور اس کی دوسری روایت جس کو امام طبرانی نے مندرجہ بالا سند کے ساتھ روایت کیا ہے یہ موضوع ہے اور اس کا متن یہ ہے۔

الحجامة فی الرأس امان	سر میں پچھنے لگانا، جنون و
من الجنون والجذام والبرص	کوڑھ، برص، سستی و کاہلی اور
والنعاس والضرس	دانت درد کی بیماری سے امان ہے

اور اس سے ایک اور منکر روایت ۔ العبادی ۔ کے علاوہ راوی نے روایت کی ہے پس جب ایسا مجہول الحال قلیل الروایت شخص جیسا کہ ان دونوں حدیثوں میں ہے عبیداللہ بن عمر جو کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی آل میں سے اپنے زمانے میں سب سے زیادہ ثقہ اور عن نافع عن سالم عن ابیہ عبداللہ بن عمر کے طریق میں احفظ ہے۔ تمام اصحاب عبیداللہ جو کہ ثقاقت ہیں سے منفرد ہو تو ایسے شخص کے روایت سے احتجاج درست نہیں ہے اور نہ ہی اس کی روایت پر اعتماد جائز ہے۔

اسے حافظ ابو علی بن السکن نے صحیح قرار دیا ہے:

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا ضعیف الاسناد اور منکر المتن ہونا اس کے متعارض ہے اور کہ اسے ایک شخص نے صحیح کہا۔ جو اس فن کا امام اور مقتدا ہے۔ یعنی حافظ ابو علی بن السکن (ابن حزم نے جب کتب حدیث

کے مراتب بنائے تو صحیح ابن السکن کو بخاری و مسلم کے بعد تیسرے مقام پر رکھا ہے انہوں نے اس منفرد طریق کی تصحیح کی ہے اب کیا خیال ہے؟

پس یہ طریق موسیٰ بن ہلال کا متابع ہے جو حسب قواعد مقبول حدیث ہے۔ اور منکر المتن ہونے پر کوئی دلیل نہیں "منکر المتن" یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی سند نہیں ہے یہ صرف سینہ زوری ہے اور ابن عبدالہادی نے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی تاکہ اس دعویٰ کو قائم رکھا جا سکے۔

فن حدیث سے آگاہ شخص یہ اعتراض کر ہی نہیں سکتا

اس (ابن عبدالہادی) کا یہ کہنا کہ اس حدیث کو اصحاب صحاح ستہ اور نہ ہی امام احمد نے اپنی مسند میں اس کو روایت کیا ہے۔ الخ

ایسا اعتراض وہ شخص نہیں کر سکتا جو علم حدیث سے واقف ہو جیسا کہ ابن عبدالہادی کیونکہ علماء حدیث کے لیے یہ شرط ہرگز نہیں لگاتے کہ وہ حدیث ان کتب میں مروی ہو جن کا نام ابن ہادی نے لیا ہے۔ کیونکہ اعتبار سند کا ہے نہ کہ کتاب کا، ماسوائے ان کتب کے کہ جن میں معین شرائط ہیں۔ کیونکہ کتاب حدیث کی قوت اور ضعف میں فائدہ نہیں دیتی ایسے ہی صاحب کتاب، حدیث کو کسی قسم کا فائدہ نہیں دیتا اگر اس کی بیان کردہ سند ضعیف ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کتاب منکرات واہیات اور موضوعات سے بھری ہوتی ہے اور مصنف اس میں احادیث صحیحہ اور حسنہ مقبولہ اور متابعات مقبولہ سنداً بیان کر دیتا ہے تو اس حدیث پر صحت یا حسن کا حکم کتاب سے بالاتر ہو کر سند کے حال کے مطابق لگایا جائے گا۔ تمام کتب حدیث کا یہی حال ہے، سوائے ان کتب کے کہ جن میں صحیح کی شرط لگائی ہے جیسا کہ اصحاب صحاح اور

مستخرجات

حاصل کلام یہ کہ ابن عبدالہادی کا کلام قواعد علم حدیث کے بالکل مخالف ہے کیونکہ صحتِ حدیث کی شرائط میں یہ شرط ہرگز نہیں ہے کہ وہ فلاں کتاب میں موجود ہو اور فلاں کتاب میں نہ ہو!

اور اس متابعت کی تصحیح ابن السکن نے یوں کی ہے کہ اس نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے! اور اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط دونوں میں ذکر کیا۔ اور یہ دونوں کتب اسلام کی امہات کتب میں سے ہیں۔

ابن تیمیہ نے (المنہاج ۲/۱۲۲) میں کہا!

کہ احادیث منقولہ کے صدق و کذب کا مدار اس کے طرق (اسناد) پر ہوتا ہے۔ غور کرو طرق کہا اور ابن عبدالہادی کا قول کہ اس حدیث میں یہ شائخ منفرد ہے۔ الخ

میں کہتا ہوں: اس شیخ سے مراد مسلمہ بن سالم الجہنی ہے جیسا کہ گزرا وہ اس میں منفرد نہیں ہے۔ بلکہ اس کا متابع موسیٰ بن ہلال ہے اور جیسا کہ اوپر کلام مفصل گزر چکا کہ مسلمہ بن سالم الجہنی متابعات کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اور اس کی دو حدیثیں جن کو طبرانی نے روایت کیا ہے ان پر ابن عبدالہادی نے وضع اور نکارۃ (منکر) کا حکم لگایا ہے۔ پہلی حدیث: وہ پچھنے لگانے والی حدیث ہے کہ سر میں پچھنے لگانا۔ جنون سے کوڑھ برص سستی اور دانت درد سے شفا ہے۔

ابن عبدالہادی سے پہلے اس پر کسی نے موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا۔
اس نے اس حدیث پر وضع کا حکم کیسے لگایا جبکہ اس کا شاہد حضرت عبداللہ

ن عباس سے موجود ہے۔

جسے عقیلی نے (۱/۸۳) اور ابن عدی نے (۲۰۷۳/۶) نے روایت کیا ہے۔

اس میں اسماعیل بن شیبہ الطائفی اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس پر کذب کی تہمت نہیں ہے۔

جب یہ شاہد مسلمہ بن سالم الجہنی کے ساتھ مل گیا تو اب اس پر وضع کا حکم لگانا قواعد حدیث کی رو سے نہایت عجیب ہے۔

اور دوسری حدیث تو اس میں معمولی جرح ہے کوئی بڑا معاملہ نہیں ہے اور اس سے راوی استشہاد سے خارج نہیں ہوتا اور امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد ۲/۲۱۱) میں مسلمہ بن سالم کی صرف تضعیف کی ہے یعنی اس کا متابعات اور شواہد میں اعتبار کیا جائے گا۔ اور یہ قول حافظ، ناقد اور صائب الرائے محدث کا ہے کسی متشدد اور جراح کا نہیں ہے کہ اس سے صرف نظر کرلی جائے۔

اور اس (عبدالہادی) کا قول: کہ جب ایسا مجہول الحال اور قلیل الروایۃ شیخ متفرد ہو جیسا کہ ان د. نور ہ .ایات میں عبیداللہ بن عمر سے ہے (الخ)

میں کہتا ہوں یہ ایسا دعویٰ ہے جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ اور نہ ہی یہ راوی مجہول الحال ہے۔ کیونکہ اس بات کی کسی نے تصریح نہیں کی۔ بلکہ اس سے ایک جماعت نے روایت لی ہے ابن السکن نے اس کی تصحیح بیان کی ہے۔ اور امام ابوداؤد نے اس کے بارے میں کہا کہ یہ ثقہ نہیں ہے اور یہ کوفہ میں بنی حرام کی مسجد کا امام تھا اس کے بعد یہ شخص کیسے مجہول ہو سکتا ہے؟

اور اگر یہ عبیداللہ بن عمر العمری سے متفرد بھی ہو تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ اس کا تابع موسیٰ بن ہلال العبدی ہے اور اسی طرح کے شبہہ کا جواب پیچھے کلام گزرا ہے

عبداللہ بن عمر العمری کا مقام

رہی تیسری بات جو عبداللہ بن عمر العمری کے حال سے خاص ہے۔ ابن عبد الہادی نے اس بارے میں کہا۔

ائمہ جراح و تعدیل کی ایک جماعت نے عبداللہ العمری میں کلام کیا ہے۔ اور اس کی طرف سوء حفظ اور روایات میں مخالفت ثقات کی نسبت کی ہے امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی نے کتاب (المجروحین من المحدثین) میں کہا۔ عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العمری، عبیداللہ بن عمر کا بھائی اہل مدینہ میں سے ہے وہ نافع سے روایت کرتا ہے اور اس سے عراقیوں اور اہل مدینہ نے روایت کی ہے۔ اس پر نیکی اور عبادت کا غلبہ تھا حتیٰ کہ اخبار کو حفظ کرنے اور آثار کے حفظ میں غفلت برتی پس اس کی روایت میں مناکیر ہیں لہذا جب فحش قسم کی غلطی کرے تو ترک کا مستحق ہے ۱۷۳ھ میں فوت ہوا۔

ہمدانی نے روایت کی وہ عمرو بن علی سے کہ یحییٰ بن سعید عبداللہ بن عمر سے حدیث نہیں لیتے تھے اور ابو حاتم نے کہا کہ یہ وہی ہے جس نے نافع عن عمر کے طریق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے۔ اور اس نے نافع عن ابن عمر سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

من اتی عرافا فسألہ لم تقبل لہ صلاۃ اربعین یوما	جو نجومی کے پاس گیا اور اس سے سوال کیا تو اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہو گی۔

اور نافع عن ابن عمر سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اسھم للفارس سھمین و | کہ گھوڑ سوار کیلئے دو حصے اور
للو اجل سھما | پیدل جہاد کرنیوالے کیلئے ایک حصہ ہے

اس میں ایسے مقلوبات اور ملزوقات ہیں جن کا انکار ہر وہ شخص کرے گا جس کا مطالعہ گہرا اور ان کے مصادر سے واقفت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے اپنی (جامع) میں فرمایا۔

عبداللہ بن عمر کی یحییٰ بن سعید نے حفظ کی وجہ سے تضعیف فرمائی ہے۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا۔ یحییٰ بن سعید اس کی تضعیف کرتے تھے۔ امام نسائی نے، کتاب الکنیٰ ؛ میں فرمایا ضعیف ہے۔

امام عقیلی فرماتے ہیں۔

یحییٰ بن معین نے اس کو ضعیف کہا۔

عبداللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ سے اس کے بارے پوچھا تو فرمایا۔ یہ ایسا ایسا ہے۔

امام ابوزرعہ دمشقی نے فرمایا۔

امام احمد بن حنبل سے کہا گیا کہ عبداللہ بن عمر کی حدیث کیسی ہے تو فرمایا کہ یہ اسانید میں زیادتی کرتا ہے اور مخالفت کرتا ہے۔ آدمی نیک تھا۔

امام عقیلی نے امام احمد کا یہ قول ابو بکر الاثرم سے بیان فرمایا ہے۔

اسحق بن منصور نے امام یحییٰ بن معین سے روایت کی انہوں نے کہا (صویلح) ہے۔

امام عبداللہ بن علی المدینی نے اپنے باپ علی بن المدینی سے روایت کی کہ وہ ضعیف ہے۔ امام یعقوب بن شیبہ نے فرمایا صدوق (سچا) ہے مگر اس کی حدیث میں اضطراب ہے۔ امام صالح بن محمد البغدادی نے فرمایا!

کمزور اور لین الحدیث ہے۔ امام ابو احمد حاکم نے کہا کہ یہ ان کے نزدیک قوی نہیں ہے۔ (الصارم المنکی ۳۶ - ۳۸)

میں کہتا ہوں کہ ابن عبد الهادی نے زیادتی سے کام لیا ہے کہ جرح تو تمام بیان کر دی مگر تعدیل سے صرف چند چیزوں پر قناعت کی۔

اب جو شخص ابن عبد الهادی کی عبارت تک ہی محدود رہے گا تو وہ سمجھے گا کہ یہ راوی واقعی ضعیف ہے لیکن فی الواقع اور نفس الامر اس کے بالکل الٹ ہے۔ لہٰذا ان درج ذیل امور کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

فصل

ابن حبان جرح میں متشدد ہیں

۱۔ ابن حبان نے یہ کلام (المجروحین ۶/۲) میں کہا ہے۔

ابن حبان کا جرح میں مبالغہ کرنا اور متشدد ہونا مشہور ہے

محدثین کی ایک جماعت نے ابن حبان کا تشدد اور مبالغہ بیان کیا ہے

ان میں سے امام ذہبی اور ابن حجر بھی ہیں

امام ذہبی (المیزان ۲۷۳/۱) میں افلح بن سعید کے حالات میں ابن حبان کے قول (کہ یہ ثقات سے موضوعات روایت کرتا ہے اس سے احتجاج جائز نہیں اور اس سے کسی حال میں بھی روایت نہیں لی جائے گی) پر فرماتے ہیں۔

ابن حبان بعض اوقات ثقہ راوی پر جرح کرتا ہے حتی کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے۔ اور محمد بن فضل السدوسی المعروف بعارم

کے حالات (۴/۸) میں فرمایا۔

دار قطنی نے کہا کہ آخر میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور اختلاط کے بعد اس پر حدیث منکر ظاہر نہیں ہوتی تھی۔

اور عارم ثقہ ہے۔

میں (ذہبی) کہتا ہوں یہ قول اپنے زمانے کے اس حافظ کا ہے کہ امام نسائی کے بعد اس جیسا کوئی نہیں آیا۔ اب ابن حبان کا قول کہاں گیا جو اس نے عارم کے بارے کیا۔

یہ آخری عمر میں مختلط اور متغیر ہو گیا تھا حتی کہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا بیان کر رہا ہے پس اس کی حدیث میں کثرت سے منکر روایات واقع ہو ہو گئیں پس واجب ہے کہ اس کی ایسی حدیث سے اجتناب کیا جائے جو اس سے متاخرین کی ہیں۔ اور جب اس کی تمیز نہ ہو سکے تو اس کی تمام احادیث کو ترک کر دینا چاہیئے اور کسی شئے میں بھی اس سے احتجاج نہ کیا جائے گا۔

اور ایوب بن عبدالسلام کے ترجمہ (۱/۲۹۰) میں کہا۔

ابن حبان صاحب طعن تشنیع اور صاحب تشغیب ہے۔ اور سوید بن عمرو الکلبی کے ترجمہ میں انکی ابن معین وغیرہ سے توثیق بیان کرنے کے بعد کہا۔

ابن حبان حد سے بڑھ گیا اور اسراف کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص اسناد کو قلب کر دیتا ہے اور صحیح اسناد کے ساتھ من گھڑت متون بیان کر دیتا ہے۔

(المیزان ۱/ ۲۵۳)

اور عثمان بن عبدالرحمن الطرائفی کے حالات (۳/۴۵) میں فرمایا۔

اور ابن حبان نے اپنی عادت سے مجبور ہوتے ہوئے کہا۔

یہ ضعیف لوگوں سے اشیاء روایت کرتا ہے اور ثقات سے

تدلیس کرتا ہے کہ سننے والے کو شک بھی نہیں گزرتا کہ یہ موضوع ہے پس اس کی اخبار میں موضوعات کی بھرمار ہو گئی تو لوگوں نے اس پر جرح کی میرے نزدیک اس سے کسی حال میں بھی روایت لینا جائز نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ابن حبان کا کلام اس باب میں تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ خاص کر ایسے رجال کے بارے میں جن کی توثیق کی گئی ہے۔ ابن حبان نے دلیل کے طور پر عبداللہ العمری کی تین احادیث بیان کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں عبداللہ نے خطا کی ہے۔

۱۔ کہ اس نے نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وضو فرماتے تو داڑھی شریف کا خلال کیا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اس روایت میں کوئی علت ہے تو وہ عبداللہ العمری سے روایت کرنے والے راوی میں ہے۔

اس پر محدثین کی تصریح موجود ہے مثلاً

امام طبرانی نے المعجم الاوسط (مجمع البحرین ۱/۳۹) میں کہا یہ روایت سوائے مؤمل بن اسماعیل کے اور کسی نے عبداللہ العمری سے نہیں کی۔ اور مؤمل بن اسماعیل کی جماعت محدثین نے تضعیف کی ہے امام بخاری ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ منکرالحدیث ہے۔

پس اولی بلکہ واجب ہے کہ اس علت کا سبب مؤمل بن اسمٰعیل کو ہی بنایا جائے۔

۲۔ امام ابن حبان نے کہا کہ عبداللہ نے روایت کی نافع سے انہوں نے ابن عمر سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی نجومی کے

پاس آیا اور اس سے سوال کیا اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی ۔ اسے ابن وہب نے (الجامع ، ۴/۱۱) میں اس طرح بیان کیا ہے ۔

میں نے عبداللہ سے سنا وہ نافع سے روایت کرتا ہے وہ حضرت ابن عمر سے مرفوعاً بیان کرتا ہے ۔

میں کہتا ہوں کہ ابن حبان کا خیال ہے کہ عبداللہ نے اپنے بھائی کی مخالفت کی ہے جس نے اس روایت کو نافع عن صفیۃ عن بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق سے مرفوعاً بیان کیا ہے ۔

اس سند سے اس کو مسلم نے اپنی (صحیح ۴/۱۷۵۱) امام احمد نے اپنے مسند میں (۴/۶۸) ابو نعیم نے (حلیہ ۱۰/ ۴۰۷) اور تاریخ اصبهان میں اور بیہقی نے (السنن الکبری ۸/ ۱۳۸) میں روایت کیا ۔ پس ابن حبان نے عن نافع عن صفیہ والی سند کو صواب قرار دیدیا ۔ حالانکہ ابو نعیم نے (حلیہ ۸/۲۶۴) میں ابو اسحاق السبیعی عن سعید بن وہب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت بیان کی ۔

میں کہتا ہوں کہ ابو اسحاق السبیعی اور سعید بن وہب دونوں معروف اور ثقہ ہیں یہ متابعت ظاہر کرتی ہے ۔ یہ حدیث سند عبداللہ بن عمر سے صحیح ہے اور اس میں عبداللہ العمری نے کوئی خطا نہیں کی جیسا کہ عبداللہ العمری کو خاطی قرار دینے والوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے ۔

۳ :- ابن حبان نے کہا ۔ کہ نافع نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ گھوڑ سوار مجاہد کے لیے مال غنیمت میں سے دو حصے اور پیدل مجاہد کے لیے ایک حصہ ہے ۔

میں کہتا ہوں کہ ابن حبان کا خیال ہے کہ اس میں عبداللہ العمری نے

اپنے بھائی عبیداللہ کی مخالفت کی ہے کہ اس نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل	کہ گھوڑے کے لیے دو حصے
الفرس سهمین ولصاحبه	اور پیدل کیلیے ایک حصہ
سهمًا۔	ہے۔

اس کا جواب وہی ہے جو کہ علامہ ابن حجر نے (فتح الباری ۶/۶۸) میں دیتے ہوئے کہا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ایک حصہ گھوڑے والے کیلیے اس کے گھوڑے کے سبب اس حصے کے سوا ہے جو کہ اس کا اپنا مخصوص حصہ ہے۔

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس میں عبداللہ العمری نے خطا کی ہے تو یہ اس کی ہر روایت کے لیے تو نقصان دہ نہیں ہوگی۔ اور زیادہ، روایات کرنے والا آدمی کبھی کسی حدیث میں غلطی کر جائے تو اس کا جو حکم ہوتا ہے اس کے مطابق ہو گا

اعتراض و جواب:

اور اگر کہا جائے کہ معنی ترک ابن حبان کے علاوہ کہ ابن عمار الموصلی نے بھی ذکر کیا ہے اور وہ ابن عمار الموصلی ہیں جیسا کہ (تہذیب التہذیب ۵/۳۲۸) میں ہے کہ اس کو سوائے یحیٰی بن سعید کے کسی اور نے ترک نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں کہ عمرو بن علی القلاس نے کہا کہ یحیٰی بن سعید اس سے روایت نہیں کرتے۔ یہ اور اس کے علاوہ کسی نے بھی یحیٰی بن سعید کی اس سے عدم روایت پر دلیل بیان نہیں کی۔ اور ماہر فن جانتا ہے

کہ ابن عمار نے ترک کا لفظ یہاں اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ان کا لفظ بمعنی عدم روایت لیا ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے جو ذہن میں رکھنا چاہیے اور اس کی تائید و وضاحت امام ابو عیسیٰ، ترمذی کا قول کرتا ہے جو (العلل سے شرح، ۱۲) میں ہے! کہ یحییٰ بن سعید سے منقول کہ جب ایک آدمی اپنے حفظ سے حدیث بیان کرے اور دوسری مرتبہ اس کے علاوہ بیان کرے تو ایک روایت پر اس کا ترک ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان لوگوں سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ جن کو یحییٰ بن سعید القطان عبداللہ بن الهادی جس نے عبداللہ العمری کی حدیث میں عیب بیان کیا ہے ایک راوی کے بارے میں خود کہتا ہے کہ یحییٰ بن سعید کا کسی راوی سے خوش نہ ہونا اس کے روایت کے قادح نہیں ہے کیونکہ یحییٰ کی شرائط رجال کے بارے میں بڑی سخت ہیں اور اسی لیے وہ خود کہتے ہیں کہ میں کسی راوی سے راضی نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس راوی سے پانچ آدمی روایت کریں۔ اس حیثیت سے اگر وہ کسی روای سے روایت نہیں کرتے تو وہ عبداللہ العمری کی طرح ہی ہوگا۔ (فتائی)

ترک کا معنی روایت نہ لینا بھی ہے

حافظ ابن حجر نے مقدمہ الفتح الباری (۴۰۲) میں زبیر البصری کے حالات میں فرمایا۔

امام باجی نے بخاری کے رجال کے بارے میں علی بن مدینی سے بیان کیا کہ اس کو شعبہ نے ترک کیا ہے تو میں کہتا ہوں ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ شعبہ نے اس سے روایت نہیں لی۔ اور ان دونوں لفظوں

میں واضح فرق ہے۔ اور کبھی روایت نہ لینا ایسے شبہہ کی بنا پر ہوتا ہے
جس سے جرح لازم نہیں آتی۔ اور قابل التفات نہیں ایک ان دلائل
میں سے جو دلالت کرتے ہیں کہ عبداللہ العمری کے بارے میں ابن حبان کا قول
غیر معمول بہ اور قابل التفات نہیں ایک دلیل یہ ہے کہ العمری کے بارے محدثین کی دو آرا
ہیں بعض ان کی روایت کو قبول کرتے اور بعض انہیں ضعیف قرار
دیتے ہیں اور یہ دوسرا گروہ بھی ان کی حدیث کو بطور متابع اور شواہد
قبول کرتا ہے۔ اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ متروک کی حدیث
متابعات اور شواہد میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ
اس کا ضعف ان کے نزدیک نہایت خفیف ہے جو کہ متابع اور
شاہد کے آنے سے زائل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی حدیث حسن لغیرہ
کے درجہ میں ترقی کر جاتی ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی
ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس سے امام مسلم نے صحیح میں اسکے بھائی عبید اللہ
کے ساتھ مقروناً روایت لی ہے۔

یہی جس راوی سے امام مسلم اپنی صحیح میں اخراج کریں اگرچہ کسی
دوسرے کے ساتھ مقروناً ہی ہو تو کیا اس کا حال وہ ہوگا جو کہ ابن حبان
نے بیان کیا اور ابن عبد الهادی نے اس پر اعتماد کیا۔

دو وجوہ سے محل نظر

ابنِ عبدالہادی نے امام احمد بن حنبل سے ان کا یہ قول نقل کیا کہ
یہ ایسا ایسا ہے اور یہ سندوں میں زیادتی کرتا اور مخالفت کرتا ہے
لیکن آدمی نیک تھا:
میں کہتا ہوں کہ جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے تو وہ دو وجہ
سے محل نظر ہے۔

۱:۔ امام ذہبی نے میزان (۴/ ۴۸۳) میں یونس بن ابی اسحاق السبیعی
کے حالات میں امام احمد کے قول (کذا و کذا) کے بارے میں فرمایا۔
کہ یہ قول عبداللہ بن احمد زیادہ تران کے بارے میں استعمال کرتے ہیں جن
کے بارے میں ان کے والد نے آگاہ کیا دیگر مقامات پر اس کا استعمال بتاتا
ہے کہ یہ اس راوی کے بارے ہے کہ جس میں لین ہو اور لین کا درجہ ضعف
سے نہایت کم درجہ ہوتا ہے۔

لیکن افسوس ابن عبدالہادی نے امام احمد کا وہ قول ذکر نہیں کیا جو
العمری کی توثیق پر دلالت کرتا ہے۔

انہوں نے کہا۔

صالح لاباس بہ وقد ادی عند الناس (یہ صالح آدمی ہے اس میں کوئی حرج نہیں اور بہت لوگوں نے اس سے روایت لی ہے)

(الجرح والتعدیل ۵/ ۱۰۹ - ۱۱۰)

۲۔ امام ابنِ عدی نے (الکامل)۔ (۴/ ۱۴۶۰) میں باسند ۔

امام احمد سے العمری کے بارے نقل فرمایا کہ وہ ایسا ایسا ہے۔
ابو طالب نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے العمری کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔

صالح قد روی عنہ	صالح ہے اور اس سے روایت لی
لا بأس بہ ولکن لیس	گئی ہے اس میں کوئی حرج نہیں
مثل اخیہ عبید اللہ	لیکن یہ اپنے بھائی عبید اللہ کے مثل نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام احمد بن حنبل کے اقوال سے آگاہ آدمی جانتا ہے کہ ان کا کلام اس راوی کی توثیق نسبی یا منعف ـــ بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ دوسرا لفظ لاکر معنی متعین کر رہا ہے کہ وہ لبنسبت اپنے بھائی عبید اللہ (جوکہ زبردست ثقہ اور حافظ ہے) سے نچلے درجے میں ہے۔

امام سخاوی کا اہم نوٹ

اور امام سخاوی نے جرح و تعدیل نسبی پر (فتح المغیث ۱/۳۴۸) میں یہ نوٹ لکھا ہے۔

ضروری ہے کہ تزکیہ کرنے والوں کے اقوال و مخارج میں آدمی غور و فکر کرے۔ کبھی وہ کہتے ہیں۔ فلاں ثقہ ہے یا ضعیف ہے تو اس سے انکی مراد یہ نہیں ہوتی کہ ان کی روایت سے احتجاج درست ہے یا اس کی روایت کو رد کر دینا چاہیئے بلکہ یہ اس شخص کی لبنسبت ہوتا ہے جو کہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں سائل سوال کرتا ہے۔ وہ فاضل کے بارے میں اس کے حدیث متوسط ہونے

Marfat.com

کے بارے سوال کرتا ہے اور وہ ضعفا کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کے بارے میں تو کیا کہتا ہے تو وہ کہتا ہے فلاں ثقہ ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ ضعیف نہیں اور جب اس سے صرف اکیلے کے بارے میں سوال ہوتا تو وہ اس کا حال متوسط بیان کرتا ہے اس کی بہت ساری مثالیں ہیں مگر ان کے ذکر سے کلام طویل نہیں کرنا چاہتے۔ (یعنی راوی بذاتِ خود متوسط درجہ کا ہے لیکن جب اس کے ساتھ دوسرا شخص ملا ہوا ہو اور دونوں کے بارے میں اکٹھا سوال ہو تو ضعیف راوی کی نسبت اس کو مطلقاً ثقہ کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ متوسط طبقہ کا ثقہ ہوتا ہے اسی طرح مطلقاً ضعیف کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ متوسط درجہ کا ضعیف ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ روایت عبداللہ کے مطابق امام احمد کا العمری کو کمزور کہنا اس کے بھائی عبیداللہ کی نسبت (جو ثقہ اور حافظ ہے) اور اس کی تائید ابن عبدالہادی سے بھی آئے گی۔ (انشاءاللہ)

فصل

امام ابن معین کی توثیق

ابن عبدالہادی نے امام یحییٰ بن معین سے دو قول نقل کیے ہیں پہلا یہ کہ اس کا ضعیف ہونا دوسرا اس کا نہایت ہی کم درجہ کا صالح ہونا۔

مگر ان کے بارے میں یحیی بن معین نے جو کچھ کہا ہے وہ تمام کا احاطہ نہیں کیا۔

ابنِ ابی مریم نے یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں نقل کیا۔

لیس بہ باس — اس میں کوئی حرج نہیں اور اس

یکتب حدیثہ — حدیث لکھی جاتی ہے۔

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ ابن معین کا کسی شخص کے بارے میں لیس بہ بأس کہنے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ ثقہ ہے۔

عثمان بن سعید الدارمی کہتے ہیں میں نے ابن معین سے کہا کہ عبداللہ بن العمری کا نافع سے کیا حال ہے فرمایا کہ۔ صالح ثقہ ہے (الکامل ۱۴۵۹/۴)

۱۔ ابن معین سے العمری کی مطلقاً توثیق مروی ہے

۲۔ اس سے اس کی روایت بالخصوص نافع سے توثیق ہے۔ جیسا کہ ہماری یہ حدیث ہے۔

یہ امام جرح والتعدیل کی طرف سے نزاع کو ختم کرنے کے لیئے نص قاطع ہے۔

جس امام دارمی نے امام ابن معین سے یہ نص روایت کی ہے وہ ان کے مشہور اور معتبر ترین شاگردوں میں سے ہے۔

سابقہ عبارات سے معلوم ہوا کہ امام احمد اور امام جرح والتعدیل یحییٰ بن معین کے اقوال میں سے راجح اقوال کے مطابق عبداللہ بن عمر العمری کی حدیث مقبول ہے اور جب تک اس کی مخالفت نہ پائی جائے گی اس پر اعتماد کیا جائے گا۔ یہ اس کی مشہور جمہور ثقات کے نزدیک شان ہے۔

فصل

عبداللہ بن عمر العمری کی توثیق پر ائمہ محدثین کی تصریحات

جب قارئین کرام پر یحییٰ بن معین و احمد بن حنبل اور ابن حبان کے "العمری" کے بارے میں اقوال کی حقیقت واضح ہو چکی تو اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اس کو جماعت ائمہ نے ثقہ کہا ہے اور بہت سے حفاظِ امت نے اس پر اعتماد کیا ہے اور یہ کتب جرح و تعدیل میں مشہور و مسطور ہے۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ابن عبدالہادی نے ان اقوال توثیق کو بیان نہیں کیا۔ اور "العمری" کو ثقہ کہنے والوں میں (جس کا ذکر ابن عبدالہادی نے نہیں کیا) وہ امام العلم احمد بن صالح المصری ہے۔ (ثقات ابن شاہین ۱۵۱)

امام ابو حاتم الرازی (الجرح ۵/۱۱۰) میں بیان کرتے ہیں۔

میں نے احمد بن صالح کو دیکھا کہ یحسن الثناء علی عبداللہ العمری وہ عبداللہ بن عمر العمری کی تعریف کرتے تھے۔

امام عجلی نے فرمایا۔

لا بأس بہ (الثقات ۲۳۹) کہ اس سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابن شاہین نے اس کو ثقہ کہا کیونکہ انھوں نے اس کو اپنی (کتاب الثقات ۱۵۱) میں ذکر کیا ہے۔

امام خلیلی نے فرمایا۔

ثقہ ہے لیکن حفاظِ حدیث اس کے حفظ سے راضی نہیں ہیں اور ان کا کہنا کہ "حفاظِ حدیث ان کے حفظ سے راضی نہیں"، کا مفہوم یہ ہے کہ بہت زیادہ محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ ایسے اقوال کی مثال (مقدمہ فتح الباری ۴۲۰) میں ملاحظہ فرمائیں۔

یا شاید اس سے مراد یہ ہو کہ اس کا حافظہ اپنے بھائی عبیداللہ العمری کی طرح قوی نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بہت سارے اقوال اس کے بھائی کی مقارنت کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں۔

جیسا کہ امام ابنِ عدی کی اس سلسلہ میں تصریح آرہی ہے۔

الغرض یہ راوی امام ابو یعلی الخلیلی کے نزدیک ثقہ ہے۔

عبدالرحمن بن مہدی اس سے روایت کرتے ہیں اور اس کی ابو یعلی الموصلی تحسین کرتے ہیں اور ایسے ہی یعقوب بن شیبہ اس کو حسن کہتے ہوئے (تاریخ بغداد: ۱۰/۲۰) میں کہا۔

صدوق ہے مگر اسکی حدیث میں اضطراب ہے۔

حدیث میں اضطراب کا ہونا اس کو ثقہ اور صدوق کی تعریف سے خارج نہیں کرتا۔

ابن السکن نے اس کی حدیث کو صحیح کہا اور یہ اُن کی طرف سے اس کی توثیق ہے۔

اور امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا (ترمذی مع شرح تحفہ ۹/۳۹۱-۳۹۲) باب مایقول اذا رای مبتلی۔ اور باب فی ثواب الحج (۳/۳۹۰) اور باب دخول مکہ نہاراً)

(یہاں عبدالرحمن مبارکپوری کو سہو ہوا کہ اس نے اسے عبیداللہ بن عمر العمری سمجھا حالانکہ یہ عبداللہ بن عمر العمری ہے) (تحفۃ ۶ : ۱۰۷)

امام بخاری نے اس کی حدیث کی تصحیح کو جائز رکھا جیسا کہ ان کی عبارت (جزء رفع الیدین ۵۲) میں اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور انہوں نے اس کو اپنی صحیح کی کتاب العلم باب المناولہ (الفتح ۱/۱۵۴) میں ذکر کیا اور کرمانی نے جزم کیا ہے کہ یہ العمری ہے اور امام بدرالدین عینی بھی اس طرف مائل ہیں (۱/۴۰۷) اور حافظ ابن حجر نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے (الفتح ۱/۱۵۴) اور امام ابن کثیر نے سورہ القصص کے شروع میں ان کی تحسین کی ہے اور امام المنذری نے الترغیب والترہیب میں اس کو حسن کہا ہے۔ (لیکن اس وقت مقام یاد نہیں کہ کہاں ذکر کیا ہے)

ابن عدی نے (الکامل : ۵/۱۸۶۹) میں کہا کہ لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے۔ یعنی لوگوں نے اس کی حدیث قبول کی ہے!

امام ابن عدی نے (الکامل ۴/۱۴۶۱) میں فرمایا

عبداللہ عمر کی حدیث صالح ہے اور اس سے ابن وہب اور وکیع جیسے ثقات نے روایت لی ہے اور ان کی روایات میں کوئی حرج نہیں اور ائمہ نے ان کے بارے میں فقط یہ فرمایا کہ وہ اپنے بھائی عبیداللہ کی طرح ثقہ نہیں ہے لیکن بذاتِ خود صدوق ہے اور اس سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابنِ عدی کا یہ قول ان کے بارے میں نہایت ہی معتدل ہے۔

پس متکلم فیہ راوی کی حدیث حسن شمار ہوگی جب تک کہ اس کی مخالفت اس سے زیادہ ثقہ سے ثابت نہ ہو۔ اور اس کا ترجمہ ان کے ساتھ ملا ہوا ہوگا کہ جن رواۃ کی روایت کو محدثین نے حسن قرار دیا ہے جیسا کہ محمد بن اسحاق، عبداللہ بن محمد بن عقیل یہ ان سے علیحدہ نہیں ہوگا مگر کہ کسی شخص کی حدیث کی تحسین ذکر کی جائے۔ اور اسی طرف امام ذہبی گئے ہیں۔

انہوں نے (المغنی ۱/۳۴۸) میں بیان فرمایا۔

صدوق حسن الحدیث۔ کہ سچا اور حسن الحدیث ہے۔

اور امام ذہبی نے اپنی دو کتابوں (الکاشف: ۹۹/۲) اور (الدیوان: ۱۷۳) میں اس کے بارے میں صرف عبارات توثیق پر ہی اکتفار و اختصار کیا ہے (اور عبارات جرح بیان ہی نہیں کیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ذہبی کے نزدیک اس کی تعدیل ہی راجح ہے مترجم)

اور اس راوی کو اپنی کتاب (من تکلم فیہ وھو موثق: ۱۱۲)[1] میں بیان کیا ہے۔

حافظ سخاوی نے (التحفۃ اللطیفۃ ۳/۳۶۶) میں فرمایا۔

کان عالماً صالحاً — کہ یہ عالم صالح بہتر و افضل

خیراً صالح الحدیث — اور صالح الحدیث ہے

---

[1] اس رسالہ میں امام ذہبی نے ان راویوں کا ذکر کیا ہے کہ جن پہ جرح کی گئی ہے مگر انکی توثیق راجح ہے جیسا کہ رسالہ کے نام سے ہی ظاہر ہو رہا ہے (مترجم غفرلہ)

Marfat.com

فصل

اگر ہم عبداللہ بن عمر العمری کو بالفرض محال ضعیف بھی تسلیم کرلیں۔
امام عثمان بن سعید نے کہا میں نے یحیی بن معین سے کہا کہ عبداللہ العمری کا نافع سے کیا حال ہے؟ فرمایا یہ صالح اور ثقہ ہے
(الکامل : ۱۴۵۹/۴)
میں کہتا ہوں کہ یہ راوی یہاں نافع سے ہی روایت کر رہا ہے۔
امام الجرح والتعدیل یحیی بن معین کیطرف سے نزاع کے ختم کرنے کے لیے یہ نص قاطع ہے۔

تنبیہ

ابن عبدالہادی نے۔ الصارم المنکی میں عبداللہ بن عمر العمری کی روایت کو ضعف پر محمول کر کے ضعیف قرار دیا ہے تعجب ہے کہ یہی راوی جب وہ "التنقیح" میں لاتا ہے تو اس کو قوی قرار دیتا ہے اور اسے ضعیف کہنے والے اور اس سے احکام میں احتجاج نہ کرنے والے کا رد کیا ہے
جب مخالف عبداللہ بن عمر العمری کو ضعیف کہتا ہے تو اس کے جواب میں ابن عبدالہادی (۱۳۲/۱) کہتا ہے اور عبداللہ بن عمر کی روایت کے بارے میں یحیی بن سعید نے اس کو فرمایا۔ کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس سے ان کی مراد اس کی توثیق ہے۔
پھر دوسرا تعجب یہ ہے کہ جب یہ علم ہو گیا کہ یحیی بن معین کی یہ روایت عبداللہ بن عمر العمری کی توثیق کا فائدہ دیتی ہے تو اسے ابن

Marfat.com

عبدالہادی نے الصارم میں اشارۃً بھی اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ (نسأل اللہ العافیۃ)

الغرض مذکورہ تفصیل سے واضح وثابت ہوگیا۔

من زار قبری وجبت له شفاعتی یقیناً حسن ہے اور یہی قواعد حدیث کا تقاضہ ہے

اور جہاں تک متکبر اور ضدی شخص کا معاملہ ہے تو وہ نہ ہمارا مخاطب ہے اور نہ ہی اس سے کلام مقصود ہے۔

دوسری حدیث

"من زارني في مماتي كان كمن زارني في حياتي ومن زارني حتى ينتهي الى قبري كنت له شهيدا يوم القيامة"

جس نے ہمارے وصال کے بعد ہماری زیارت کی گویا کہ اس نے ہماری ظاہرہ حیاتی میں زیارت کی اور جو میری زیارت کیلئے میرے روضہ تک پہنچا میں قیامت کے دن اسکی شفاعت کرونگا۔

اس کو عقیلی نے (الضعفاء : ۳/۴۵۷) میں اس سند سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

حدثنا سعيد بن محمد الحضرمي ثنا فضالة بن سعيد بن زميل المأربي حدثنا محمد يحيي المأربي عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس به مرفوعاً۔

امام تقی الدین السبکی نے (الشفاء السقام ۴۸) میں اپنی سند کے ساتھ ابن عساکر کے طریق سے عقیلی کی مذکورہ سند کیسا تھ روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

من رآنی فی المنام کان کمن رآنی فی حیاتی!

جس نے مجھے خواب میں دیکھا گویا کہ اس نے مجھے ظاہری حیات میں دیکھا۔

صحیح الفاظ وہی ہیں جو کہ عقیلی نے نقل کیئے ہیں۔ ہاں ابن عساکر کی روایت بھی صحیح ہے اور لفظ زیارت دونوں میں ہی موجود ہے۔

اس حدیث میں فضالہ بن سعید بن زمیل اور اس کے شیخ محمد بن یحییٰ بن قیس المأربی کی وجہ سے علت بیان کی گئی ہے! جہاں تک فضالہ بن زمیل المأربی ہے اس کے بارے میں عقیلی نے (الضعفاء ۳/۴۵۷) میں کہا کہ اس کی حدیث غیر محفوظ ہے اور یہ حدیث اس کے سوا سے معروف نہیں ہے۔ حدیث بیان کرنے کے بعد کہا کہ محل بحث اس کی اسناد ہیں۔

یہ حدیث ایک اور سند سے مروی ہے اور اس میں بھی کمزوری ہے۔

عقیلی کا کلام ان امور پر دلالت کر رہا ہے۔

۱۔ یہ کہ فضالہ بن سعید المأربی کی حدیث غیر محفوظ ہے

۲:۔ یہ منفرد ہے۔

۳:۔ اس سند میں کمزوری ہے۔

تیسرے امر کا خلاصہ یہ ہے کہ عقیلی کی نظر میں اس سند میں کمزوری

Marfat.com

ہے اور یہ ظاہر ہے کہ لین کا درجہ ضعیف سے بہت ہی کم ہے۔

حافظ ذہبی پر تعجب ہے کہ انہوں نے فضالہ بن سعید بن زمیل المأربی کے ترجمہ میں یہ حدیث ذکر کی پھر (۳/۹۴۴۳) میں کہا یہ ابن جریج پر موضوع ہے۔

سند اور متن میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ذہبی کے دعوے کی مدد کر سکے۔ یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس پر دلیل نہیں ہے اور نہ ہی ذہبی نے اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش کی ہاں عقیلی کا یہاں کلام ذہبی سے زیادہ مضبوط اور قوی ہے!

فصل

اور محمد بن یحیی بن قیس المأربی کو دارقطنی (سوالات البرقانی: ۴۶۴) نے ثقہ کہا، ابن حبان نے (۹/۴۵:) اور ابن ابی حاتم نے ان سے جماعت محدثین کا روایت کرنا (الجرح والتعدیل ۸/۱۲۳) بیان کیا اور اس میں جرح اور تعدیل ذکر نہیں کی۔ اور ابن حزم نے کہا: مجہول ہے!

پس اس میں دارقطنی اور ابن حبان کی توثیق قبول کی جائے گی۔ کیونکہ یہی قواعد حدیث کے مطابق ہے کیونکہ عالم، جاہل کے خلاف ہوتا ہے۔

اعتراض و جواب

اور اگر کہا جائے کہ اس بارے میں ابن عدی نے (الکامل ۶/۲۲۳۹) میں کہا کہ اس کی احادیث۔ مظلمۃ اور منکرۃ ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ابنِ عدی کی طرف سے سراسر زیادتی ہے۔
اس نے اس کے ترجمہ میں دو حدیثیں ذکر کیں۔

پہلی :۔ شہروں کی مدح وذم میں ہے پس اس کو اس سے روایت کرنے والے پر حمل کیا جائے گا۔ اور وہ خطاب بن عمر الہمدان ہے۔

ذہبی نے اس کے ترجمہ میں (المیزان) میں کہا کہ یہ مجہول ہے اور اس کی حدیث شہروں کے بارے میں جھوٹ ہے !

اور عقیلی نے صحیح بات کی کہ یہ موضوع حدیث اس نے خطاب بن عمر الہمدانی کے ترجمہ میں ذکر کی (۲/ ۲۵)

اور دوسری حدیث جس کو ابن عدی نے محمد بن یحییٰ المأربی کے ترجمہ میں ذکر کیا وہ حدیث استقطاع ہے جس کی اصحاب سنن وغیرہم نے تخریج کی ہے۔

اس کی تصحیح ابنِ حبان (۱۰/ ۳۵۱) نے کی ہے تو بات کرنا آسان ہے مگر ایسا شخص اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس میں کہا جائے کہ اس کی احادیث مظلمہ اور منکرہ ہیں۔ کیا بنے گا ان کثیر احادیث کا جو اس وصف کی مستحق ہیں ؛

امام ذہبی نے (الکاشف ۳/ ۹۵) میں اسکی توثیق کی ہے !

پس یہ بات تقاضہ کرتی ہے کہ جو کچھ محمد بن یحییٰ المأربی کے ترجمہ میں (المیزان ۴/ ۶۲) میں بیان کیا ہے اس میں تردد ہے۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن یحییٰ المأربی میں اسکے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ وہ ہے جسے ابن حجر نے (التقریب ۵۱۳) میں بیان کیا۔ کہ یہ لین الحدیث ہے اور ترمذی نے ایسے راوی کو (جس میں

Marfat.com

مذکورہ بالا کلام ہو) حسن کہتے ہیں !

اہم نوٹ

ابن عبدالہادی کی محمد بن یحییٰ الأربی کے بارے میں رائے غلط ہے بلکہ یہ تہ دا اور انصاف سے بہت دُور ہے اس نے بیان کیا کہ یہ شخص متکلم فیہ ہے اور پھر اس پر جرح اور اسکی تضعیف کو ترجیح دی اور اس پر ابن عدی کا کلام ذکر کیا اور تائید میں شہروں کی مدح و ذم میں مروی حدیث پیش کی حالانکہ یہ گزر چکا کہ اس حدیث کا بوجھ خطاب بن عمر الھمدانی مجہول پر ہے پھر اس پر رکا اور دارقطنی کی توثیق کی صراحت ذکر نہیں کی جو کہ اس نے (سوالات البرقانی ۴۴۶) میں کی ہے بلکہ اس نے زیادتی کرتے ہوئے موضوع حدیث بھی ساتھ ذکر کردی (اللہ تعالےٰ سے سلامتی اور حفاظت کا سوال کرتے رہنا چاہیئے۔)

اور بعض کے گمان کے مطابق اس حدیث میں تیسری علت ہے جس پر ابھی کلام باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس میں ابن جریج یعنی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج مدلس ہے اور اس نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

اس کا جواب! یہ ہے کہ ابن جریج نے یہ روایت عطاء سے کی ہے اور اس کی عطا سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے چاہے وہ سماع کی صراحت کرے یا نہ کرے کیونکہ ابن جریج نے کہا! جب میں کہوں کہ عطا نے کہا تو میں نے اس سے یہ سُنا ہوتا ہے اگرچہ میں "سمعت" نہ کہوں۔ (تہذیب التہذیب : ۶/۴۰۶)

حاصل کلام یہ کہ جو کچھ گزرا اس سے معلوم ہوا کہ اس سند کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے اس میں ایک راوی مجہول

Marfat.com

ہے اور وہ اس حدیث میں متفرد ہے اور دوسرا راوی مختلف فیہ ہے دارقطنی نے اس کو ثقہ کہا اور ابنِ حبان نے اس کی روایت کو صحیح کہا اور اس کو ثقہ کہا ہے اور اس راوی سے اصحاب السنن امام نسائی ابو داؤد اور ترمذی نے روایت لی ہے اور حافظ (ابنِ حجر) نے اس کے بارے فرمایا کہ یہ! لین الحدیث ہے اور ذہبی نے کہا۔ اس کی توثیق کی گئی ہے۔

پس جب بات ایسی ہی ہے تو یہ سند صرف فضالہ بن سعید بن زمیل المازنی کے سبب ضعیف ہو گی۔ تو اس کا کسی دوسری روایت کے ساتھ قوت حاصل کرنا ممکن ہے بلکہ ممکن ہے کہ یہ محدثین کی جماعت کی رائے کے مطابق حسن کے مشابہ ہو۔

یہ تنہا روایت فیصلہ دے رہی ہے کہ ان کی بات احادیث زیارت تمام کی تمام ضعیف بلکہ موضوع ہیں لغو و فضول ہے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ مذکورہ روایت کے لئے اس مسئلہ زیارت میں قوی و مضبوط ترین دیگر نظائر بھی موجود ہیں (ہم اللہ تعالےٰ سے غضب اور رضا میں انصاف پر قائم کرنے کی التجا کرتے ہیں۔

تیسری حدیث

من زارنی بالمدینۃ محتسبًا کنت لہ شفیعًا وشہیدًا یوم القیامۃ۔

جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ میں میری زیارت کی قیامت کے دن میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔

Marfat.com

اس کو امام بیہقی نے (شعب الایمان : ۴/ ۴۸۸)
حمزہ بن یوسف السہمی نے (تاریخ جرجان : ۴۸۸)
امام تقی الدین السبکی نے (شفاء السقام : ۳۵)
ابن ابی الدنیا نے (کتاب القبور) میں ذکر کیا ہے۔

تمام نے اسے "محمد بن اسماعیل بن ابی فدیک عن سلیمان بن یزید الکعبی ابی المثنیٰ عن انس بن مالک کی سند سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جس نے برائے ثواب مدینہ میں میری زیارت کی میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور گواہ ہوں گا۔ میں کہتا ہوں کہ محمد بن اسمٰعیل بن ابی فدیک ثقہ ہے اور اس سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت لی ہے۔ لیکن ابوالمثنیٰ سلیمان بن یزید الکعبی کے بارے میں ابوحاتم نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے اور قوی نہیں ہے دارقطنی نے اس کی تضعیف کی اور ابن حبان نے المجروحین میں کہا۔

یہ روایات میں ثقات کی مخالفت کرتا ہے اس سے احتجاج درست نہیں اور سوائے اعتبار کے طور پر اس سے روایت لینا جائز نہیں ہے۔
لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کو (کتاب الثقات : ۶/ ۳۹۵) میں ذکر کیا اور امام ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے۔ تو یہ چیز تقاضہ کرتی ہے کہ یہ امام ترمذی کے نزدیک صدوق الحدیث ہے کیونکہ حافظ ابن حجر نے (تعجیل المنفعۃ : ۱۵۳) میں فرمایا۔
امام ترمذی کا قول : "حسن غریب" تقاضہ کرتا ہے کہ راوی اس کے نزدیک، صدوق معروف ہے، الخ
امام حاکم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے (۴/ ۲۲۱-۲۲۲) تو یہ راوی امام حاکم کے نزدیک ثقہ ہوگا۔

اگر امام ترمذی کی تحسین حاکم کی تصحیح اور ابن حبان کی توثیق پیش نظر نہ بھی رکھی جائے۔ تو بھی اس راوی میں ضعف، خفیف درجہ کا ہو گا جو کہ متابعت یا شاہد کے آنے سے ختم ہو جائے گا یہی وجہ ہے حافظ بن حجر نے۔ (التقریب : ۶۷) میں فقط اس کی تضعیف پر ہی اکتفا کیا ہے۔

اور ذہبی نے (الکاشف : ۳/ ۳۳۱) میں کیا خوب کہا اس کی توثیق کی گئی ہے۔"

اور ابو حاتم نے کہا۔ یہ قوی نہیں ہے۔

اب اس سند میں ایک علت باقی رہ گئی ہے اور وہ سلیمان بن یزید اور سلیمان کے درمیان انقطاع ہے۔ کیونکہ سلیمان بن یزید تبع تابعین میں سے ہے۔

حضرت انس کے حوالے سے اس حدیث کی دوسری سند

امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں کہا۔

اخبرنا عیسی بن یونس	ہم کو خبر دی عیسی بن یونس نے
ثنا ثور بن یزید حدثنی	ان سے حدیث بیان کی ثور بن یزید
شیخ عن انس عن النبی	نے اس سے شیخ نے اس سے حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم	انس اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(المداوی : ۶/ ۲۳۲) .... سے راوی ملا الخ)....

میں کہتا ہوں کہ۔ عیسیٰ بن یونس (ابن ابی اسحاق السبیعی) ثقہ ہے۔

اور ثور بن یزید۔ ثقہ اور ثبت ہے۔

اور اگر اس میں شیخ مبہم (جس کا نام نہیں لیا گیا) نہ ہوتا تو یہ سند اعلیٰ درجہ

کی صحیح ہوتی۔ لیکن اس حدیث کو پچھلی حدیث کے ساتھ ملایا جائے تو اس حدیث کی قوۃ میں فائدہ ہوگا۔ اور اگر قائل کہے کہ اگر اس کو حسن کے مشابہہ قرار دیا جائے تو صحیح ہے۔ اور آئمہ فقہا نے کتنی ہی اس سے کم تر یا اسی طرح کی احادیث سے احکام میں احتجاج کیا ہے!

بلکہ یہ اکیلی ہی زیارت کی مشروعیت کو ثابت کرتی ہے اور ابن عبدالہادی نے حضرت انس سے اس کا دوسرا طرق بیان ہی نہیں کیا۔ گویا کہ وہ اس سے واقف ہی نہیں ہوا اسی لئے اس کا کلام صرف پہلی سند کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور اگر ابن عبدالہادی اس پر واقف ہوتا تو ضرور بہ ضرور مبہم راوی پر برستا جیسا کہ اس کا طریقہ ہے۔ کیونکہ وہ تو کہتا ہے اس مسئلہ زیارت میں کوئی حدیث صحیح ہے ہی نہیں۔

چوتھی حدیث

من أتى المدينة زائراً لي وجبت له شفاعتي يوم القيامة، ومن مات في احد الحرمين بعث آمنا،	جو شخص مدینہ شریف میری زیارت کے لیے آیا قیامت کے دن اس پر میری شفاعت واجب ہو گئی اور جو دونوں حرموں میں سے کسی ایک میں فوت ہوا وہ قیامت امن کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

اس کو یحیٰی بن الحسن بن جعفر نے، اخبار المدینہ، میں روایت کیا۔ جیسا کہ (شفاء السقام: ۴۰) میں ہے۔ سند یہ ہے۔

ثنا محمد بن یعقوب، بسند مذکور حضرت بکر بن عبداللہ

ثنا عبد الله بن وهب	نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
عن رجل عن بکر ابن	سے روایت کی ہے کہ جو شخص
عبد اللہ عن النبی صلی اللہ	مدینہ شریف میری زیارت کیلئے آیا قیامت
علیہ وسلم قال: من أتی	کے دن اس پر میری شفاعت واجب
المدینۃ زائراً لی وجبت	ہوگی اور حدِ حرمین شریفین میں سے
لہ شفاعتی یوم القیامۃ	کسی ایک حرم میں فوت ہوا قیامت
ومن مات فی احد الحرمین	میں امن کی حالت میں اٹھایا جائے
بعث آمنا	گا۔!

محمد بن یعقوب وہ ابو عمرو الاسدی الزبیری المدنی ہے اس کے بارے ابو حاتم اور امام نسائی نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں

ابن حبان نے اس کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا مستقیم الحدیث ہے (التہذیب: ۹/۵۳۳)۔

حافظ نے فرمایا: صدوق ہے (التقریب ص ۵۱۴)

اور عبد اللہ بن وہب۔ ثقہ حافظ اور فقیہ ہے۔

اور بکر بن عبد اللہ میرے خیال میں وہ المزنی البصری ہے اور وہ جلیل القدر۔ ثقہ ثبت تابعی جیسا کہ (التقریب ص ۱۲۷) میں ہے اور اگر یہ وہی ہے تو حدیث مرسل ہوگی اور اگر مبہم راوی نہ ہو تو یہ صحیح الاسناد ہے

اور سید سمہودی نے (وفاء الوفا: ۴/۱۳۴۸) میں کہا کہ احتمال ہے کہ یہ بکر بن عبد اللہ المزنی المذکور ہو یا وہ بکر بن عبد اللہ بن الربیع الانصاری الصحابی ہے جس کا ترجمہ (الاصابہ: ۱/۱۶۴) میں ہے!

اور (الصارم المنکی: ۳۴۳) میں بکیر (بالتصغیر) بن عبد اللہ واقع ہے جو

کہ ناسخ (کاتب) کی غلطی ہے۔ اور اگر غلطی نہیں تو پھر یہ بعید ہے کیونکہ عبداللہ بن وہب اپنی جامع میں بکیر بن عبداللہ الاشج المدنی ثم المصری جو کہ تبع تابعی ہے سے ایک واسطہ کے ساتھ روایت کرتا ہے۔ اور راجح وہی ہے جو کہ پیچھے بیان ہوا کہ یہ بکر بن عبداللہ المزنی ہے۔ (واللہ اعلم)

اور ان تینوں احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ حدیث صرف ضعیف الاسناد ہو گی۔

اور ابن عبدالہادی نے (الصارم : ۲۴۳) میں تمام قواعد حدیث کو توڑتے ہوئے کہا یہ حدیث باطل ہے اور اس کی اصل نہیں یہ معضل روایت ہے ایسی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا یہ مراسیل میں سے ضعیف تر اور سب سے کمزور منقطع ہے!

میں کہتا ہوں کہ یہ شخص حد سے بڑھ گیا اور تشدد اور طعن تشنیع پر اتر آیا ہے پس اس حدیث میں سوائے مبہم راوی کے اور کوئی علت نہیں حالانکہ ابن عبدالہادی کے امام، امام احمد بن حنبل وغیرہ جو کہ آئمہ فقہ و حدیث میں سے ہیں وہ مرسل کے ساتھ احتجاج کرتے اور اس کو قبول کرتے ہیں۔

ابن عبدالہادی نے اپنی بات پر کوئی دلیل پیش نہیں کی کیونکہ قواعد حدیث اس کی موافقت ہی نہیں کرتے۔ اور البانی کا وہ قول سوائے تعصب کے کچھ نہیں جو اس نے شیخ محمد سعید رمضان البوطی کے رد میں کیا ہے (ص ۱۰۹) کہ

یہ حدیث باطل ہے جیسا کہ ابن عبدالہادی نے کہا ہے۔

ایسی تقلید مذموم ہوا کرتی ہے، اس پر اعتراض کیوں نہیں کیا جاتا یا تقلید کرنے والے پر فتویٰ کیوں نہیں عائد ہوتا۔ اور تتبع کرنے والا پائیگا کہ ایسی حدیث پر محدثین اس سے زیادہ حکم نہیں لگاتے کہ یہ مرسل ضعیف

الاسناد ہے اور اس کی مثل روایت دوسری روایت کی متابعت سے تقویت پا جاتی ہے۔ (نسأل اللہ تعالےٰ السلامۃ والعون)

پانچویں حدیث

مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَمَنْ مَاتَ بِأَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْآمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری ظاہری حیاتی میں میری زیارت کی اور جو حرمین شریفین میں سے کسی حرم میں فوت ہوا قیامت کے دن اسکو آمنین میں سے اٹھایا جائیگا۔

امام دارقطنی نے (سنن : ۲/۲۷۸) میں اس سند سے یہ حدیث بیان کی۔

حدثنا ابو عبيد والقاضي ابو عبد الله وابن مخلد قالوا أنا محمد بن الوليد البسري، نا وكيع، نا خالد بن أبي خالد وابو عون عن الشعبي والاسود بن ميمون عن هارون أبي قزعة عن من آل حاطب عن حاطب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (الحديث)

اس کو اس سند سے بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۴۸۸)
اور محاملی اور الساجی نے روایت کیا جیسا کہ میزان میں ہے!
اور امام ابن عبد البر نے استذکار میں معلق کے طور پہ بیان کیا ہے۔
امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہوئے کہا!

میمون بن سوار العبدی عن هارون ابی قزعة
رجل من ولد حاطب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم (من مات فی احد الحرمین)

اللہ کی مدد سے عرض کرتا ہوں

خالد بن ابی خالد وہ خالد بن طہمان ہے وہ امام شعبی کے طبقہ سے روایت کرتا ہے اور وہ بھی ان کی طرح کوفی ہے! اور اس سے وکیع روایت کرتا ہے اور وہ خالد بن ابی مخلدہ نہیں جیسا کہ ابن عبد الہادی نے (الصارم المنکی ص ۱۵۱) میں دعویٰ کیا ہے!

خالد بن طہمان صدوق ہے اور مختلط ہو گیا تھا لیکن اس کا تابع ابن عون ہے اور اس کو ابو عون بھی کہا جاتا ہے۔ ہاں ہاں وہ عبداللہ بن عون البصری ہے اور اس کی کنیت ابو عون ہے اور وہ ثقہ! اور ثبت ہے۔ پس یہ سند عامر بن شراحیل الشعبی تک صحیح ہے بلکہ ہارون بن ابی قزعہ تک صحیح ہے کیونکہ شعبی ایسے حافظ ثقہ ہے جن کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جاتا! ابن عبد الہادی نے بہت ہی عجیب وغریب بات کی بلکہ بہت تشدد سے!

کام لیتے ہوئے کہا !

اور جو اس سند میں وکیع عن خالد بن ابی خالد اور ابو عون عن الشعبی[1] یا شعبی کے واسطہ کے بغیر سند میں زیادۃ تو یہ منکر اور غیر محفوظ ہے پس اس سند میں شعبی کا ادخال صحیح نہیں ہے۔ پھر کہا ..... اور حاصل کلام یہ کہ اس سند میں اس اندھی زیارت کا ذکر اس کی صحت میں اضافہ نہیں کرتا بلکہ اس کے ضعف اور اضطراب میں اضافہ کرے گا (الصارم المنکی ۱۵۱)

میں کہتا ہوں کہ یہ اضافہ ثقات سے مسلسل طور پر ثابت ہے جیسا کہ گزرا اس کو وکیع بن الجراح اور خالد بن طہمان نے ذکر کیا ہے اور اس کا متابع عبداللہ بن عون البصری ہے پھر عامر الشعبی ثقات میں سے ہے پس ان کے حال کی طرف نظر نہیں کرنی چاہیئے سوائے ابن طہمان کے اور وہ صدوق ہے اور اس کا متابع بھی ہے (نسأل اللہ تعالٰے الانصاف فی الرضا والغضب)

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب اس سند کا انحصار ہارون بن ابی قزعہ اور اس کے مبہم شیخ پر ہے ! رہا ہارون بن ابی قزعہ تو اس کے بارے کہا گیا ہے ہارون ابو قزعہ یا ابن قزعہ اور یہ نقصان دہ نہیں ہے۔ حافظ نے (النکت علی ابن الصلاح : ۲/۷۷۳) میں کہا۔

اور راویوں میں کسی راوی کے نام میں اختلاف اس میں موثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ ثقہ ہے تو یہ اختلاف اس کو نقصان نہیں دیگا۔ اور اگر وہ غیر ثقہ ہے تو اس کی حدیث اس کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہو گی نہ کہ اس سبب سے کہ اس کے نام میں ثقات کا اختلاف ہے ! (فتامل ذلک) پس یہاں راوی ہارون بن ابی قزعہ کو یعقوب بن شیبہ نے ضعیف کہا اور عقیل ساجی

[1] امام سبکی نے (شفاء السقام ص ۳۳) میں امام شعبی کے واسطہ کو ہی ترجیح دی ہے اور یہی صحیح ہے

اور ابن الجارود نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ابن حبان نے اسکو (الثقات ۵۸۰/۷) میں ذکر کیا۔

اور اس سے عامر الشعبی نے روایت کی پس ہارون بن ابی قزعہ اس کے نزدیک ثقہ ہے!

یحییٰ بن معین نے شعبی کے بارے کہا۔ جب وہ کسی سے نام لے کر روایت کریں تو وہ ثقہ ہوگا اور اس سے احتجاج کیا جائے گا۔

(التہذیب : ۶۷/۵)

پس امام شعبی کا ہارون سے روایت کرنا اس کی توثیق پر دال ہے جیسا کہ ابن معین نے کہا کیونکہ امام شعبی نے اس کا نام لیا ہے۔ لیکن یہ توثیق صراحت کے مقابلہ میں کم تر ہے پس یہ توثیق ضمنی اور اجمالی توثیق ہوگی۔

پس ابن حبان کی توثیق اور شعبی کی روایت ہارون ابن ابی قزعہ کی ثقاہت کے لیے کافی ہے پس وہ شخص ان راویوں میں سے ہے کہ جن کی حدیث کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کی حدیث شواہد کے لیئے پیش کی جاسکتی ہے!

پس اب اس سند میں ایک ہی علت باقی رہ جاتی ہے کہ ہارون بن ابی قزعہ کا شیخ مبہم ہے پس حدیث میں ضعف اتنا شدید نہیں ہے بلکہ معمولی ضعف ہے اور فقہا کرام اس کی مثل احادیث سے کسی بھی معاملہ کی مشروعیت کے اثبات پر احتجاج کرتے ہیں اور اس کے علاوہ کتب فقہ ہمارے اس قول کی تصدیق کرتی ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ حالانکہ زیارت کی احادیث کے بعض طرق شرط حسن پر ہیں۔ اب اس کے بعد ان (منکرین) کا قول کہ احادیث زیارت ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ کو دیکھو تو اسے دیوار پر دے مارو کیونکہ یہ اصول حدیث کے مخالف قول ہے!

تین ائمہ حدیث کا صحت حدیث پر اتفاق

حافظ ذہبی نے فرمایا۔

احادیث زیارۃ میں سے سب سے زیادہ سند کے لحاظ سے پختہ حدیث حدیث حاطب ہے۔

اور امام سخاوی نے (المقاصد الحسنۃ ۱۳۴) میں اور امام سیوطی نے (الدرر المنتثرہ: ۱۷۳) میں اس کو قائم و مقرر رکھا۔ پس یہ تین حفاظ حدیث مخالف کے غلط قول کے خلاف متفق ہیں۔

ابن تیمیہ کا رد

یہ تنبیہ باقی رہ گئی ہے کہ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو سراپا جھوٹ ہونے (موضوع) کا حکم لگایا ہے!

اس نے اپنی کتاب (التوسل والوسیلہ، ۷۳) میں کہا۔

یہ واضح جھوٹ ہے اور مسلمانوں کے دین کے خلاف ہے۔ پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایمان کی حالت میں زیارت کی پس وہ آپ کے صحابہ ہیں بالخصوص اگر وہ مہاجرین میں سے ہیں اور پھر آپ کے ساتھ کافروں سے جہاد بھی کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو برا نہ کہو مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے صحابی کی ایک مٹھ جو خرچ کرنے کے برابر نہیں پہنچ سکتا (اس کو بخاری و مسلم میں روایت کیا گیا ہے)

صحابہ کے بعد کوئی ایک شخص بھی ان کے مثل نہیں ہو سکتا ما مور اعمال میں جیسا کہ حج، جہاد، پانچوں نمازیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے میں تو ایسے عمل کے ذریعے ان کے برابر کیسے پہنچ سکتا ہے جو بالاتفاق واجب نہیں ہے۔

اور لبانی نے اس کی تقلید کرتے ہوئے اس حدیث پر بطلان کا حکم لگایا ہے حالانکہ دونوں غلطی پر ہیں اس اشکال کا جواب آسان ہے۔

۱۔ یہ صرف ایک تشبیہ ہے اور تشبیہ میں دونوں طرف مساوات ضروری نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات ایک دوسرے سے افضل ہوتا ہے پس یہ فاضل کا افضل کے ساتھ الحاق کے باب سے ہے جیسے کہ کہا جائے الرملی کالشافعی (رملی، شافعی کی طرح ہے) ابو یوسف ابو حنیفہ کی طرح اور زید چاند کی طرح اور مدرسہ جامع ازھر کی طرح ہے۔

۲۔ دونوں طرف تشبیہ کا جمع ہونے کا سبب حیات ہے۔ پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی زیارت کی وہ اسی طرح ہے جس طرح آپ کی حیات میں زیارۃ کی یہ باعتبار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف قبر کے اندر ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر منورہ میں زندہ ہیں۔

اور حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر پر تو متواتر احادیث مروی ہیں۔ اور ان کو کچھ محدثین نے علیحدہ اکٹھا کر دیا ہے۔ ان میں سے امام بیہقی اور امام سیوطی ہیں اور حافظ احمد بن الصدیق الغماری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا خلاصہ کیا ہے۔

جیسے (الرد المحکم المتین علی کتاب القول المبین) کے خاتمہ میں نقل کر دیا گیا

سے ہے جو کہ ہمارے شیخ علامہ محقق سیدی عبداللہ الصدیق رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف سے ہے۔

ابن تیمیہ نے جو اتفاق نقل کیا ہے یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت علمائے اسلام کی اکثریت کے نزدیک واجب ہے اور یہ قول ظاہریہ (غیر مقلدین) کا ہے اور اسی پر مالکیہ کی کثرت ہے اور احناف کا بھی یہی قول ہے۔

چھٹی حدیث

(مَنْ زَارَ قَبْرِیْ اَوْ قَالَ مَنْ زَارَنِیْ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا اَوْ شَہِیْدًا اَوْ مَنْ مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَہُ اللّٰہُ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)

جس نے میری قبر کی زیارت کی یا فرمایا جس نے میری زیارت کی میں اس کا شفیع یا گواہ ہونگا یا جو دونوں حرمین میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن امن والوں میں سے اٹھائے گا۔

اس کو ابو داؤد طیالسی نے (منحۃ المعبود: ۲۲۸/۱) میں
بیہقی نے (السنن الکبری: ۲۴۵/۵)
(شعب الایمان: ۴۸۸/۳) میں اس سند سے روایت کیا

حدثنا سوار بن میمون ابو الجراح العبدی، قال: حدثنی رجل من آل عمر عن عمر قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم قال ....

اور امام بیہقی نے (شعب الایمان: ۳/ ۴۸۹) میں اس سند سے بیان فرمایا۔

شعبہ ابن الحجاج عن سوار بن میمون، نا ھارون بن قزعۃ عن رجل من آل الخطاب عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال!

عقیلی نے کہا۔

یہ روایت کمزور ہے۔ (۴/ ۱۷۰)

حدیث شعبہ اور ابو داؤد طیاسی میں اختلاف ہے اور ان کا اختلاف دو باتوں کی طرف لوٹتا ہے۔

۱۔ شعبہ نے فرمایا عن سوار عن میمون عن ھارون بن قزعہ مگر ابو داؤد نے ہارون بن قزعہ کا ذکر نہیں کیا۔

۲۔ اختلاف اسے مرفوع بیان کرنے والے میں ہے

اور یہ اختلاف شعبہ اور ابو داؤد طیالسی کی وجہ سے نہیں کیونکہ یہ دونوں ثقات اور حفاظ حدیث میں سے ہیں خصوصاً امام شعبہ پس ان میں سے ایک کا وہم شمار کرنا جیسا کہ ابن عبدالہادی نے بیان کیا ہے محل نظر ہے۔

پس ابن عبدالہادی نے دو جہتوں سے ابو داؤد کا وہم شمار کیا

۱۔ ہارون بن قزعہ کا اسقاط

۲۔ عمر کا ذکر کرنا

جیسا کہ ابن عبدالہادی نے (الصارم المنکی: ۱۳۲) میں کہا

یہ ابن عبدالہادی سے بہت ہی عجیب ہے۔ کیونکہ ابو داؤد طیالسی حافظ

اور ثقہ امام مصنف ہے وہ وہی حدیث بیان کرتا ہے جس کو وہ محفوظ رکھتا ہے) لہذا یہ وہم اس کی طرف سے نہیں ہو سکتا اور صحیح یہ ہے کہ یہ وہم سوار بن میمون کی طرف سے ہے کیونکہ اس کا تذکرہ کتب رجال میں نہیں ملتا پس یہ مناسب نہیں کہ سوار بن میمون کو چھوڑ کر وہم کی نسبت کی طرف کی جائے۔ یہ سوار بن میمون ہے یا میمون بن سوار جیسا کہ بعض غیر معروف روایات میں وارد ہوا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے۔

ساتویں حدیث

من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی

جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ ایسے ہی ہے گویا کہ اس نے میری ظاہری حیات میں میری زیارت کی۔

اس کو طبرانی نے (المعجم الکبیر: ۴۰۶/۱۲)

امام دارقطنی نے (السنن: ۲۷۸/۲)

بیہقی نے (السنن الکبری: ۲۴۶/۵)

ابن عدی (الکامل: ۷۹۰/۲)

الاصبہانی (الترغیب والترہیب: ۴۴۷/۱)

Marfat.com

الفاکہی (اخبار مکہ: ۱/ ۴۳۷) لہ۔
ذہبی نے اس کو امام بخاری کی طرف منسوب کیا کہ امام بخاری نے اس کو ضعفاء میں تعلیقاً بیان کیا۔ لیکن امام بخاری کی مطبوعہ کتاب میں میں نے نہیں پایا۔ (المیزان: ۱/ ۵۵۹)
اور یہ: (المطالب العالیہ: ۱/ ۳۷۲) میں ہے اور اس کو امام ابویعلی کی طرف منسوب کیا گیا۔ ان تمام نے اس سند سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

حفص بن سلیمان الاسدی القاری عن لیث بن ابی سلیم عن مجاہد بن جبیر عن ابن عمر مرفوعاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سند میں دو راوی ضعیف ہیں پہلا دوسرے سے زیادہ ضعیف ہے۔
پہلا۔ حفص بن سلیمان الکوفی القاری۔
اس کو محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف کہا۔ بعض نے کہا متروک ہے۔ اور بعض نے اس کے بارے میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے کذب کی طرف منسوب کیا ہے اور اس مبالغے کا امام تقی الدین سبکی نے جواب

لہ الکمال ... اس حدیث کو امام ابوسعید المفضل بن محمد بن ابراہیم الجندی ۳۰۸ھ نے (فضائل المدینہ ۳۹) میں مذکورہ سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے (مترجم عفولہ)

دیا ہے اور میرے نزدیک یہ اسراف اور زیادتی ہے! کیونکہ یہ آدمی قرآۃ کا امام ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث کے وضع کرنے اور جھوٹ بولنے پر اقدام کرے۔ حالانکہ لوگ اس سے قرآت حاصل کرنے میں متفق ہیں! زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ محدثین میں سے نہیں ہے! اس لیے اس کی روایات میں منکرات اور کثرت سے غلط چیزیں واقع ہو گئی ہیں۔ (شفاء السقام : ص ۲۵)

ان کے شاگرد ذہبی نے اس کے شیخ، عاصم بن ابی النجود القاری کے ترجمہ میں کہا۔

ہر دور میں ہوتا ہے کوئی شخص ہو سکتا ہے کہ وہ ہر فن کا امام ہو اور کئی فنون میں کمزور ہو جیسا کہ اس کا شاگرد حفص بن سلیمان کہ قرآت میں ثبت ہے لیکن حدیث میں کمزور ہے۔ یا جیسے امام اعمش کہ حدیث میں ثبت و ثقہ ہے اور حروف میں کمزور ہے۔

(سیر اعلام النبلاء : ۵/۲۶۰)

سبکی اور ذہبی کے کلام سے وہ مشکل حل گئی جو کہ بعض کی طرف سے حفص بن سلیمان کے حال میں واقع ہوئی تھی۔

اور دوسرا راوی۔ لیث بن ابی سلیم ہے وہ فی نفسہٖ صدوق ہے لیکن مختلط ہے اور حدیث میں تمیز نہیں کر سکتا۔ پس اس کی مثل اگرچہ ضعیف ہو مگر متابعات و شواہد میں پیش کرنے کے قابل ہوتا ہے!

پس لیث بن ابی سلیم سے اس میں حفص بن سلیمان متفرد کبھی نہیں بلکہ اس کے دو متابع موجود ہیں۔

۱۔ جس کو امام طبرانی نے (المعجم الکبیر : ۱۲/۴۰۶) اور (المعجم الاوسط : ۱/۲۰)

Marfat.com
Marfat.com

میں بیان کرتے ہوئے کہا۔

حدثنا احمد بن رشدین، قال : حدثنا علی بن الحسن بن هارون الانصاری، قال : حدثنی اللیث ابن ابنة اللیث بن ابی سلیم قال : حدثتنی عائشة ابنة یونس امرأة اللیث عن لیث بن ابی سلیم عن مجاهد عن ابن عمر به مرفوعًا

ایسے ہی۔ الکبیر : میں واقع ہے۔

اور المعجم الاوسط الطبرانی کے مطبوعہ نسخہ میں لیث بن ابی سلیم کو ذکر نہیں کیا گیا۔

اور صحیح وہی ہے جو کہ، الکبیر میں واقع ہے۔ اور امام طبرانی نے اوسط میں علی بن الحسن بن ہارون الانصاری کے اس میں تفرد کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد : ۲۱۴/۴) میں فرمایا کہ اس میں عائشہ بنت سعد ہے میں نے اس کا ترجمہ نہیں پایا۔

میں کہتا ہوں : بات ایسے ہی ہے اور اس کی مثل علی بن الحسن بن ہارون الانصاری واللیث ابن ابنة اللیث بن أبي سلیم کا ترجمہ بھی نہیں پایا جاتا۔

اور طبرانی کا شیخ احمد بن رشدین اس میں کلام مشہور ہے لیس یہ سخت ضعیف ہے۔

۲۔ اس کو ابوبکر محمد بن السری بن عثمان التمار نے اپنے جزء میں روایت کرتے ہوئے فرمایا۔

ثنا نصر بن شعیب مولی العیدین، ثنا أبي وثنا جعفر بن سلیمان

الضبعی عن لیث عن ابن عمر مرفوعًا بیان کرتے ہیں جیسا کہ
شفاء السقام ۱ ص ۲۷)
ابوبکر محمد بن السری بن عثمان التمار کے سبب سے یہ سند ضعیف ہے
اس کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں۔
یہ مناکیر اور بلایا روایت کرتا ہے۔ لیس بشی ہے۔ اور امام حافظ ابن
حجر نے ذہبی کے اس کلام کو قائم رکھا (اللسان : ۵/۱۴۷)
اور اس میں ایک اور راوی ضعیف ہے اور وہ نصر بن شعیب ہے۔
ذہبی نے اس کے بارے (میزان :۲/ ۲۵۱) میں فرمایا۔
نصر بن شعیب اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور وہ جعفر بن سلیمان
سے ضعیف ہے۔
ابن عساکر نے فرمایا۔
یہ وہم ہے کیونکہ وہ حفص بن سلیمان ابو عمر الاسدی الغاضری القاری ہے
(شفاء السقام : ۲۷) بہر حال یہ حدیث ضعیف ہے!

آٹھویں حدیث

مَنْ حَجَّ حجۃَ الإسْلَامِ	جس شخص نے حج فرض ادا کیا
وَ زَارَ قَبْرِیْ وَ غَزَا غَزْوَۃً	اور میری قبر کی زیارت کی اور
وَصَلّٰی فِی بَیْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ	جہاد کیا اور بیت المقدس میں
یَسْأَلْہُ اللّٰہُ عَمَّا افْتَرَضَ	نماز پڑھی اللہ تعالیٰ اس سے
عَلَیْہِ"	دوسرے فرائض کے بارے میں

سوال نہ کرے گا۔

اسے امام ابو الفتح الأزدی نے فوائد میں اس سند سے ذکر کیا۔

ثنا النعمان بن هارون بن ابي الدلهات، ثنا ابو سهل بدر بن عبد الله المصيصي، ثنا الحسن بن عثمان الزيادي، ثنا عمار بن محمد حدثني خالي سفيان عن منصور عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله ابن مسعود مرفوعاً به۔

ایسے ہی شفاء السقام ص۴۴ میں ہے لیکن اس میں ابن عمر سے ہے حالانکہ صحیح: ابن مسعود سے ہے جیسا کہ ا۔ (اللسان: ۲/۴) اور (القول البدیع: ۱۳۵) و (تنزيه الشريعة: ۲/۱۷۵) میں ہے۔

ابو الفتح صاحب الجزء، مشہور حافظ حدیث ہے کچھ لوگوں نے اس کی تضعیف کی ہے۔ اور بعض نے اس کی روایت کے سبب مبالغہ سے کام لیتے ہوئے اس کو متہم کیا ہے۔ خطیب بغدادی نے۔ (تاریخ: ۲/۲۴۴) میں کہا۔

میں نے محمد بن جعفر ابن علان سے ازدی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ان کے حفظ کا ذکر کیا انہیں معرفتِ حدیث میں ماہر قرار دیا اور خوب تعریف کی۔

مجھ سے بیان کیا عبد الغفار بن عبد الواحد الارموی نے اس نے کہا کہ میں نے اہل موصل کو دیکھا وہ ابو الفتح الازدی کو بہت زیادہ کمزور گردانتے اور اسے کچھ بھی شمار نہ کرتے۔

اور کہا۔ مجھ سے بیان کیا محمد بن صدقہ الموصلی نے کہ ابو الفتح بغداد کے امیر (یعنی ابن بویہ) کے پاس گیا اور اس کے لیے یہ حدیث گھڑی۔

ان جبرائیل کان ینزل	حضرت جبرائیل، نبی اکرم صلی اللہ
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	علیہ وسلم پر امیر کی صورت میں
فی صورتہ	نازل ہوتے تھے۔

تو اس نے اس کی عزت کی اور اس کو کثیر دراہم عطا کئے۔ ابن کثیر نے (البدایۃ ١١/ ٣٠٣) میں کہا۔ بہت سارے حفاظ حدیث نے اسے ضعیف کہا۔

انکے اپنے زمانے کے بہت سارے حفاظ حدیث نے اس کو ضعیف کہا اور بعض نے اس کو وضع حدیث کے ساتھ متہم کیا ہے۔ اس نے ابن ابو لیلہ کے لیے حدیث گھڑی اور اسے باسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا کہ جبرائیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امیر کی شکل میں نازل ہوتے تھے اس امیر نے اس کو پسند کیا اور اس کو بہت ساری رقم دی (انتہی) اور اس سند میں ابو سہل بدر بن عبداللہ المصیصی ہے اس کے بارے حافظ ذہبی نے کہا۔

اس نے حسن بن عثمان الزیادی سے باطل خبر روایت کی اور اس سے النعمان بن ہارون نے (المیزان ١/ ٣٠٠)

حافظ ابن حجر نے اس کے ترجمہ میں (اللسان: ٢/ ٤) میں کہا۔

اس مذکورہ حدیث کو حافظ ابو الفتح الازدی نے اپنے فوائد کے آٹھویں باب میں ذکر کیا۔ (پھر حافظ نے اس کی پوری سند ذکر کی)

اس روایت کو علامہ سیوطی نے: (ذیل اللآلی) میں وارد کیا اور انہی کا اتباع کرتے ہوئے ابن عراق نے (التنزیعۃ الشریعۃ ٢/ ١٧٥) میں ذکر کیا۔

حافظ سخاوی نے (القول البدیع: ١٣٥) میں کہا اس کے ثبوت میں نظر ہے۔

توضیح یہ ہے کہ اس حدیث کو الازدی۔ پر محمول کیا جائے نہ کہ المصیصی پر
امام سبکی نے المصیصی کے بارے میں (شفاء السقام : ۲۴ - ۳۵) میں کہا
میں اس کے حال کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔
تو کیا یہ سند مصیصی تک صحیح ہے کہ اس پر تہمت لگائی جائے۔
حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں اور بعض نے اس پر وضع کا حکم
لگایا ہے اور اس کے متن میں نکارت ہے!

نویں حدیث

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي : جس نے بیت اللہ کا حج کیا مگر میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی۔

اس کی تخریج ان محدثین نے کی ہے
ابن عدی نے (الکامل : ۷/۲۴۸۰)
ابن حبان (المجروحین : ۳/۷۳)
دارقطنی (غرائب مالک جیسا کہ شفاء السقام : ۲۸ میں ہے۔
اور سہمی نے (تاریخ جرجان : ۲۱۷) میں کہا اور تمام نے اس کی یہ سند
بیان کی۔
محمد بن محمد بن النعمان بن شبل قال، حدثنی جدی قال : حدثنا مالك
عن نافع عن ابن عمر یہ مرفوعًا......
ابن جوزی نے : (الموضوعات : ۲/ ۲۱۷) میں اس پر موضوع ہونے
کا حکم لگایا۔

اور حفاظ کی ایک جماعت نے ابن جوزی کے ساتھ موافقت کی اور اس کے حکم کو برقرار رکھا۔ پس محمد بن محمد بن النعمان بن شبل پر دارقطنی نے طعن کیا اور اس کو متہم کیا۔ (المیزان: ۴/۲۶)

اور اس کے دادا۔ نعمان بن شبل کو موسیٰ بن ہارون نے کہا: وہ متہم تھا (الکامل: ۷/۲۴۸۰)

اور ابن حبان نے (المجروحین ۳/ ۷۳) میں کہا۔

یہ ثقات سے مصیبتیں اور اثبات سے مغلوب روایتیں بیان کرتا ہے!

اور اگر کہا جائے کہ ابن عدی نے (الکامل: ۷/ ۲۴۸۰) میں کہا۔

ثنا صالح بن احمد بن ابی مقاتل، ثنا عمران بن موسیٰ الدجاجی ثنا النعمان بن شبل اور وہ ثقہ تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ توثیق یا تو صالح بن احمد یا عمران بن موسیٰ الدجاجی کی ہے اور اگران دونوں سے پہلے کی توثیق سمجھی جائے تو وہ اس کا اہل نہیں ہے اور اگر ان دونوں میں سے دوسرا مراد لیا جائے تو اس سے روایت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ صالح بن احمد بن ابی مقاتل یہ قیراطی البزار کے نام سے معروف ہے اس میں شدید ضعف ہے حتیٰ کہ دارقطنی نے کہا یہ متروک۔ کذاب اور دجال ہے! اور ابن عدی نے کہا کہ یہ حدیث کا چور ہے ہر حال اس حدیث کا مدار بجائے اس کے دادا نعمان بن شبل کے محمد بن محمد بن النعمان پر کرتا بہتر ہے دارقطنی نے اس کی صراحت کی ہے اور اس سے ابن جوزی نے (الموضوعات: ۲/ ۲۱۷) میں نقل کرتے ہوئے کہا ہے۔

اس حدیث میں طعن محمد بن محمد بن النعمان کی وجہ سے ہے۔ اور

Marfat.com

نعمان سے ابن عدی راضی ہے (الکامل : ۷/۲۴۸۰) اس روایت کی سند بہت ساقط ہے شاید محمد بن النعمان نے یہ حدیث اپنے دادا سے چرائی اور اس کی اچھی نفیس سی سند بنائی ۔ عن مالک عن نافع عن ابن عمر پس اس سند کے ساتھ اس کا اخراج کیا۔ ابوالحسن یحیی بن الحسن بن جعفر نے : اخبار المدینہ میں جیساکہ (شفاء السقام : ۳۹) میں نعمان بن شبل ثنا محمد بن الفضل عن جابر عن محمد بن علی عن علی رضی اللہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من زار قبری بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی ومن لم یزرنی فقد جفانی	جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری ظاہرہ حیاتی میں زیارت کی اور جس نے میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر زیادتی کی ۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تالف ہے اور نعمان بن شبل پر کلام گزر چکا ہے اور محمد بن الفضل بن عطیہ العبسی الکوفی بہت سارے نقادِ حدیث نے اس پر کذب کی تہمت لگائی اور جابر بن یزید الجعفی تو اس کا ضعیف معروف ہے۔

دسویں حدیث

من زار قبری حلت لہ	جس نے میرے روضہ اقدس

شفاعتی ۔ کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو گئی ۔

اس کو بزار نے اپنی (مسند (کشف الاستار : ۲/ ۵۷) میں اس سند کے ساتھ بیان کیا ۔

حدثنا قتیبة، ثنا عبد اللہ بن ابراهیم ثنا عبد الرحمن بن زید عن ابیه عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

بزار نے کہا ۔ عبداللہ بن ابراہیم کا اس حدیث پر متابع کوئی نہیں لیکن اس کے منفرد ہونے کے باوجود اس کی روایت لکھی جائے گی ۔ اور امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد : ۴/۲) میں کہا !

اس کو بزار نے روایت کیا اور اس میں عبداللہ بن ابراہیم الغفاری ہے جو ضعیف ہے !

میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن ابراہیم الغفاری سخت ضعیف ہے اس کے بارے میں حافظ نے (التقریب : ۲۹۵) میں بیان کیا ۔

متروک ہے اور ابن حبان نے اس کو وضع کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کا شیخ عبدالرحمن بن زید بن اسلم بھی ضعیف ہے

ابن عدی اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہے جیسے گزرا حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ سخت ضعیف ہے ۔

گیارہویں حدیث

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ وَاَنَا حَیٌّ

جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری زیارت کی کہ میں ظاہرہ حیاتی کے ساتھ زندہ ہوں۔

امام تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اس کو ابو الفتوح سعید بن محمد بن اسمٰعیل الیعقوبی نے اپنے ایسے جزء میں اس کو نقل کیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض شمائل اور آثار اور فضائل زیارت اور زائر کے فضائل بیان کیے۔ شفاء السقام (۳۴-۳۵)

یعقوبی نے اس کو اس سند سے بیان فرمایا۔

خالد بن یزید ثنا عبد اللہ بن عمر العمری قال سمعت سعید المقبری یقول: سمعت أبا ھریرۃ رضی اللہ عنہ یقول:- مرفوعًا۔

اس سند میں خالد بن یزید ابو الہیثم العمری المکی ہے ابو حاتم اور یحیٰی بن معین نے اس کو کذاب کہا اور عقیلی و ابن عدی اور ابن حبان وغیرہم نے اس کو سخت ضعیف کہا۔

بارہویں حدیث

مَنْ زَارَنِیْ مَیِّتًا فَکَاَنَّمَا	جس میرے بعد از وصال میری زیارت
زَارَنِیْ حَیًّا، وَمَنْ زَارَ	کی گویا کہ اس نے میری ظاہرہ زندگی
قَبْرِیْ: وَجَبَتْ لَہٗ	میں میری زیارت کی اور جس نے
شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ	میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے
وَمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِیْ	قیامت کے دن میری شفاعت
لَہٗ سِعَۃٌ ثُمَّ لَمْ	واجب ہوگی۔ اور جو امتی استطاعت
یَزُرْنِیْ فَلَیْسَ لَہٗ عُذْرٌ	ہونے کے باوجود میری زیارت نہ
	کرے اس کیلئے کوئی عذر نہیں۔

اس کو ابن النجار نے (الدرۃ الثمینۃ فی فضائل المدینۃ: ۱۴۴) میں اس سند کے ساتھ روایت کیا۔

محمد بن مقاتل عن جعفر بن ہارون عن سمعان بن المہدی عن انس مرفوعًا بہ۔

حافظ ذہبی نے (میزان الاعتدال: ۲/ ۲۳۴) کہا یہ سمعان سے مروی ہے! یہ ایک مکذوبہ نسخہ میں ہے میں نے اس کو دیکھا اللہ اس کے وضع کرنے والے کو برباد کرے۔

حافظ ابن حجر نے (اللسان: ۳/ ۱۱۴) میں سمعان مذکور کے ترجمہ میں کہا۔

یہ محمد بن مقاتل الرازی اور وہ جعفر بن ہارون الواسطی اور وہ سمعان سے روایت کرتا ہے اور اس نسخہ کا ذکر کیا اور اس نسخہ کا متن تین سو

احادیث پر مشتمل ہے جو موضوع ہیں۔ اس سند میں محمد بن مقاتل الرازی ہے اس کے بارے میں امام ذہبی (میزان الاعتدال ۴/۴۷) میں فرماتے ہیں۔
اس میں کلام ہے مگر متروک نہیں۔
اور جعفر بن ہارون الواسطی کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں
یہ موضوع خبر لاتا ہے۔
اور سمعان بن محمد عن انس کا نسخہ مشہور موضوع نسخوں میں سے ہے

تیرہویں حدیث

رَحِمَ اللّٰہ مَنْ زَارَنِیْ	اور اللہ اس پر رحم فرمائے جو میری
وَزِمَامُ نَاقَتِہٖ بِیَدِہٖ	زیارت کرے اور اپنی ناقہ کی مہار اپنے ہاتھ میں پکڑے

یہ حدیث عوام نے وضع کی ہے اس کی کوئی سند نہیں اور حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور ان کے شاگرد حافظ سخاوی نے "المقاصد الحسنہ" میں اس فیصلہ کو برقرار رکھا ہے!

چودھویں حدیث

مَنْ زَارَنِیْ وَزَارَ اَبِیْ اِبْرَاھِیْم	جس نے میری اور میرے باپ
فِیْ عَامٍ وَاحِدٍ دَخَلَ الْجَنَّۃ	حضرت ابراہیم کی ایک ہی سال میں زیارت کی تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

یہ حدیث موضوع ہے اس کی کوئی سند نہیں۔ اس کی صراحت

امام نووی نے (المجموع : ۸/ ۲۰۹) اور ابن تیمیہ نے (اقتضاء الصراط المستقیم ۴۰۲) میں کی ہے۔
اس کا بطلان زرکشی سیوطی اور ابن عراق و دیگر محدثین نے کیا ہے۔

پندرہیں حدیث

مَنْ صلی علیّ عِندَ قَبْرِیْ سَمِعْتہٗ و مَنْ صَلّیٰ عَلیّٰ نَائِیًا ابلغتہٗ۔

جس نے مجھ پر میری قبر کے قریب درود پڑھا میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا "مجھے پہنچایا جاتا ہے!

اس کو ابوالشیخ الاصبہانی نے کتاب الثواب میں روایت کیا جیسا کہ (اللآلی المصنوعۃ ۱/ ۲۸۳) میں ہے۔

حدثنا عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج، حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابو معاویہ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ بہ مرفوعًا۔

حافظ سخاوی نے (القول البدیع : ۱۵۴) میں کہا۔
اس کی سند جید ہے جیسا کہ ہمارے شیخ ابن حجر نے افادہ فرمایا۔ انتہی۔ اور حافظ یہ حکم لگانے میں حق پر ہیں۔
اس حدیث کی سند کے رجال سوائے ابوالشیخ کے استاذ کے۔ اور وہ عبدالرحمٰن بن احمد بن ابی یحیٰی الذھری ابو صالح الاعرج المتوفی ۳۰۰ھ

ہے اور اس کا تذکرہ ابو الشیخ اصبہانی نے (طبقات المحدثین باصبہان ۳/۵۴۱ اور ابو نعیم نے اخبار اصبہان ۲/۱۴۳) میں کہا اور اس پر جرح اور تعدیل کا کوئی کلمہ ذکر نہیں کیا۔

اور اس سے ایک جماعت محدثین نے روایت لی ہے جن میں سے حافظ ابو الشیخ ابن حبان الاصبہانی بھی ہے۔

زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مستور ہے لہذا یہ ابن حبان کی شرط پر ہے لیکن میں نے ان کا تذکرہ انکی کتاب الثقات میں نہیں پایا۔

اور اس طرح کے راوی کی روایت جمہور محدثین قبول کرتے ہیں جب تک کہ اس کے مخالف کوئی نہ ہو جیسا کہ امام ذہبی نے مالک بن الخیر الذیاری کے ترجمہ میں اس بات کی صراحت کی ہے۔ انہوں نے زیاد بن مالک کے ترجمہ میں فرمایا۔

شیخ مستور ما وثق وضعف	یہ شیخ مستور ہے نہ اس کی توثیق
فھو جائز الحدیث	کی گئی ہے اور نہ ہی تضعیف
(المیزان ۲/۹۳)	لہذا یہ جائز الحدیث ہے۔

اور ربیع بن زیاد الھمدانی کے ترجمہ میں فرمایا۔

ما رأیت لاحد فیہ	میں نے کسی ایک کو بھی اس
تضعیفا فھو جائز الحدیث	کی تضعیف کرتے نہیں دیکھا لہذا
(المیزان ۲/۴۰)	یہ جائز الحدیث ہے

اور ربیع بن زیاد الھمدانی کے ترجمہ میں فرمایا۔

ما رایت لاحد فیہ تضعیفا	میں نے کسی ایک کو بھی اس

Marfat.com

فھو جائز الحدیث — تضعیف کرتے نہیں دیکھا لہذا یہ جائز الحدیث ہے۔
(المیزان ۲/۸۴)

اور امام زرکشی نے وسعت سے کام لیتے ہوئے (المعتبر فی تخریج احادیث المنھاج والمختصر: ۶۹) میں اس قسم کے راوی میں کہا:
راوی کی جہالت اس میں قدح کا سبب نہیں بنتی جب کہ اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو پس ثقہ کی اس سے روایت، اس کی تعدیل شمار ہوگی۔
حاصل کلام یہ کہ ایسی قسم کی حدیث تو جب تک اس کے مخالف کوئی روایت نہ پائی جائے اور نہ ہی اس کا متن منکر ہو تو وہ روایت مقبول ہوگی اور یہاں نہ تو اس کی مخالف روایت پائی گئی اور نہ ہی اس کے متن میں نکارت ہے پس یہ حدیث اس سند کے ساتھ مقبول ہے۔

شیخ حافظ احمد بن الصدیق الغماری نے (المداوی لعلل المناوی: ۲/۲۷/۱) میں فرمایا کہ اس کی سند نظیف ہے اور ابن تیمیہ نے (الرد علی الاخنائی: ۱۴۴) میں صراحت کی کہ یہ صحیح المعنی ہے۔ لیکن اس کی سند میں کلام کیا اور اس حدیث کی اعمش سے ایک اور سند ہے۔
اس کو عقیلی (الضعفاء ۴/۱۳۷)
بیہقی نے (حیاۃ الانبیاء: ۱۵)
بیہقی (شعب الایمان: ۲/۲۱۸)
خطیب نے (تاریخ بغدادی: ۳/ ۲۹۱ - ۲۹۲)

(اس کے مخالف صحیح روایت موجود ہے جس کو طبرانی نے المعجم الکبیر میں سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے تفصیل العقیدہ الصحیحہ فی شرح حیاۃ الانبیاء میں ملاحظہ فرمائیں۔)

ابن جوزی نے (الموضوعات ۱/۳۰۳) وغیرہم نے روایت کیا۔
یہ اس طریق میں محمد بن مروان السدی عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہ مرفوعاً ہے۔
میں کہتا ہوں کہ اس سند میں محمد بن مروان السدی متروک الحدیث اور کذاب ہے۔
امام عقیلی نے (الضعفاء) میں کہا۔ کہ اس حدیث کی اعمش سے کوئی اصل نہیں اور نہ یہ محفوظ ہے اور نہ ہی اس کی کوئی متابعت ہے مگر وہ اس سے بھی گئی گزری ہے۔
ابن کثیر نے (تفسیر القرآن ۶/۴۶۶) میں کہا
اس کی سند میں نظر ہے اس میں محمد بن مروان السدی الصغیر متفرد ہے اور متروک ہے۔
ابن کثیر نے جو یہ کہا تو یہ صرف اس سند کے بارے میں کہا ہے پس ابن جوزی اور ان کے متبعین اس کو موضوع کہا ہے تو وہ بھی صرف اسی سند کے بارے میں کہا ہے پس وہ سند جس کو امام ابوالشیخ نے (کتاب الثواب) میں روایت کیا وہ جید الاسناد ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے۔
اور ابن تیمیہ کا اس بارے میں قول مختلف ہے اس نے (فتاوی ۲۷/ ۲۴۱) میں اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا لیکن ایک اپنے رسالہ جو کہ زیارت کے متعلق ہے (صفحہ ۱۷) میں کہا کہ اس کی سند کمزور ہے۔
اور (الرد علی الاخنائی ص ۱۳۴) میں کہا۔

اگرچہ اس کا معنیٰ صحیح ہے اس کی سند ایسی ہے کہ جس سے احتجاج درست نہیں ہے۔ اور تو خبردار رہے کہ اس پر وضع کا حکم صرف اس سند پر ہے جس میں السدی الصغیر ہے اور تعجب در تعجب ابن عبدالہادی پر ہے کہ وہ تشدد کی حدیں توڑ گیا ہے۔ اس نے (الصارم) میں کہا کہ اس روایت کو بعض نے ابو معاویہ عن الاعمش کے طریق سے روایت کیا ہے اور یہ خطا فاحش ہے کیونکہ اس میں محمد بن مروان السدی متفرد ہے اور وہ متروک الحدیث ہے اور متہم بالکذب ہے اور تعجب کی وجہ یہ ہے کہ۔ ابن عبدالہادی نے محمد بن مروان کی روایت کو محفوظ سمجھا وہ جیسی بھی ہے وہ ابوالشیخ کی سند پر واقف ہوا یا کہ نہیں! وہ کوئی ایسی بات نہیں لایا کہ جس سے اس کا دعویٰ قائم رہ سکے اور نہ ہی وہ اس دعویٰ کی بنیاد مضبوط رکھ سکا۔

اور محمد بن مروان السدی اس میں منفرد بھی نہیں ہے جیسا کہ عقیلی کا کلام اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور جیسا کہ ابوالشیخ الاصبہانی کی روایت سے معلوم ہوا ہے لیکن ابن عبدالہادی اپنے شیخ ابن تیمیہ کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔

حاصل کلام یہ کہ اس حدیث کی سند جید ہے۔ اور جس نے اس پر وضع کا حکم لگایا تو یہ ابوالشیخ کی روایت پر واقف نہ ہونے کی بنا پر لگایا ہے۔

سولھویں حدیث

مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ" کوئی بھی مسلمان جب مجھ پر درود و سلام

رَدَّ اللّٰہ عَلَیّٰ رُوحی حَتّٰی اَرُدَّ علیہ	پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح کو میری طرف لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں اسکے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

تخریج حدیث :

مسند	امام احمد	۵۲۷/۲
سنن	ابوداؤد	۲۹۳/۲
سنن الکبریٰ	امام بیہقی	۲۴۵/۵
حیاۃ الانبیاء	"	"
شعب الایمان	"	۲۱۷/۲
اخبار اصبہان	امام ابونعیم	۳۹۳/۲

(سند حدیث)
عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبداللہ ابن قسیط عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال :-

ابوصخر حمید بن زیاد کے بارے امام احمد وابن معین فرماتے ہیں۔ کہ اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں امام دارقطنی وابن حبان نے اس کی توثیق بیان کی۔
امام یغوی فرماتے ہیں۔

اس حدیث کی مزید تحقیق کے لیے : العقیدہ الصحیحہ ملاحظہ فرمائیں۔ مترجم۔

مدنی صالح الحدیث : مدنی ہے اور صالح الحدیث ہے۔

ابن عدی نے فرمایا۔

وهو عندی صالح الحدیث میرے نزدیک یہ صالح الحدیث ہے

ابن معین نے ایک روایت میں اس کی تضعیف بیان کی جیسا کہ امام نسائی نے اسکو ضعیف کہا۔

ابن شاہین نے اس کو ثقہ کہا

امام ذہبی نے اس کو، من تکلم فیہ وهو موثق (۳۷) (کہ جن میں کلام کیا گیا ہے حالانکہ وہ ثقہ ہیں) میں بیان کیا پھر اس کی توثیق ایسے علمائے کرام سے بیان کی کہ جن کی توثیق کے قبول کرنے پر ائمہ متفق ہیں اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں۔ اس سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت لی ہے!

کم ازکم یہ راوی حسن الحدیث ہے۔ لہٰذا ابن عبدالہادی کے شر کی طرف التفات ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ تو راوی کے نام اور کنیت میں اختلاف کو بھی راوی کی حدیث کو رد کرنے کا سبب بتلا دیتا ہے۔ اور اگر راوی کے اسم اور کنیت میں اختلاف راوی کے ضعف کا سبب مانا جائے تو رواۃ کی تضعیف کا ایک نیا باب کھل جائے گا۔

پس یہاں عقل مندوں کو یہی کہنا چاہیئے۔ اللہ تعالٰے حدیث اور علوم حدیث پر رحمت فرمائے۔ کتنے ہی راوی ہیں کہ ان کے نام اور کنیت میں اختلاف ہے مگر وہ ثقہ ہیں اور کتنے راوی ہیں جن کے نام اور کنیت میں اتفاق ہے مگر وہ ضعیف ہیں اور یزید بن عبداللہ بن قسیط سے تو محدثین کی ایک پوری جماعت نے احتجاج کیا ہے اور امام

نسائی، ابن حبان اور ابن عبدالبر نے اس کو ثقہ کہا ہے اور امام بن معین نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں پس یہ حدیث حسن الاسناد ہے۔

سترھویں حدیث

عن محمد بن اسحاق عن سعید بن ابي سعید المقبري عن عطاء مولى أم حبيبة قال: سمعت ابا هريرة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليهبطن عيسى بن مريم حكماء عدلاً واماماً مقسطاً، وليسلكن فجاً حاجاً أو معتمراً او بنيتهما وليأتين قبري حتى يسلم علي ولأردن عليه

(مستدرک امام حاکم: ۲/۵۹۵)

امام حاکم نے فرمایا :- یہ حدیث صحیح الاسناد اور اس سیاق کے ساتھ اس کو امام بخاری و مسلم نے اس کو اپنی کتابوں میں نہیں لیا اور ذہبی نے اس کو قائم رکھا۔ اس حدیث کی اور وجہ (مسند) بھی ہے اور اس وجہ کو امام ابو زرعہ رازی نے (العلل حدیث نمبر ۲۷۴۷) میں ترجیح دی اور یہاں محمد بن اسحاق کے سماع کی عدم تصریح نقصان دہ نہیں ہے۔

اٹھارویں حدیث

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد: المسجد الحرام والمسجد الأقصى، مسجدي هذا"

نہ کجاوے کسو سوائے تین مساجد کے مسجد حرام ۔ مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد ......

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے متعدد طریق ہیں ۔ اس کو روایت کرنے والے صحابہ کرام :-

حضرت ابو سعید الخدری ۔ حضرت ابوہریرۃ حضرت جابر بن عبداللہ
حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص حضرت علی بن ابی طالب
حضرت ابو الجعد الضمیری حضرت مقدام بن معدی کرب حضرت ابو امامہ
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم

حضرت ابو سعید الخدری سے روایت

امام بخاری ۳/۶۳ (مسلم ۲/۹۷۶) ترمذی : ۲/۱۴۸، اور کہا حسن صحیح ہے ابن ماجہ ۱/۴۵۲ ۔ احمد ۳/۳۴، ۴۵، ۵۱ ۔ ابو یعلی ۲/۳۳۸، حمیدی ۲/۳۳۰ ابن ابی شیبہ ۲/۲۷۴ ابن حبان ۳/ ۱۷ مشکل الآثار ۱/۲۴۱ بیہقی السنن الکبری ۱۰/۸۲ ۔ ابو الشیخ فی طبقات المحدثین باصبہان ۲/۲۲۱ ابو نعیم فی ذکر اخبار اصبہان ۱/۸۵ ۔ الطبرانی فی المعجم الاوسط ۳/۱۰۳ ۔ خطیب فی تاریخ بغدادی ۱۱/۹۵ الواسطی فی فضائل بیت المقدس ۲ ۔ والبغوی شرح السنۃ ۲/۳۳۶ ۔ وغیرہم نے عن قزعۃ بن یحیی عن ابی سعید الخدری بہ مرفوعاً ۔

امام بخاری وغیرہ کے الفاظ یہ ہیں :

لا تسافر المرأۃ مسیرۃ یومین	کوئی عورت سوائے اپنے خاوند یا محرم
الا و معہا زوجہا او ذو محرم	کے دو دن کا سفر نہ کرے اور دو روز
ولا صوم فی یومین :	کے یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے
الفطر و الاضحیٰ ، ولا	روزے نہ رکھے اور صبح کے بعد سورج ہوتے

صلوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس
ولا بعد العصر حتی تغرب
ولا تشد الرحال
الا الی ثلاثۃ مساجد
مسجد الحرام ومسجد
الأقصیٰ ومسجدی
ھذا:

تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز نہ پڑھے اور تین مساجد مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے سوا کسی طرف کجاوے نہ کسے۔

اس حدیث حضرت ابوسعید الخدری کا دوسرا طریق بھی ہے جس کو امام احمد نے مسند ۳/۵۳) اور ابن الجوزی نے فضائل القدس ۹۶ ۱ میں مجالد بن سعید عن ابی الوداک عن ابی سعید الخدری سے مرفوعاً بیان کیا ہے!

اور تیسرا طریق جس کو امام طبرانی نے (المعجم الاوسط ۲/ل ۲/۲) میں عطیہ العوفی عن ابی سعید الخدری سے روایت کیا۔

اور چوتھا طریق اس کو امام عبد بن حمید نے (المنتخب من المسند (رقم ۹۴۹ ص ۱۸۰) اور تمام نے اپنے فوائد (الروض البسام ۱/۳۰۰) میں ابو ہارون عمارہ بن جوین العبدی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا۔

عمارہ بن جوین شدید ضعیف ہے حافظ ابن حجر نے اس کے بارے التقریب میں کہا۔ متروک۔

اور ان میں سے بعض طرق کو امام ابویعلی۔ الموصلی نے (مسند ابی یعلی ۲/۳۷۲) میں بیان فرمایا۔

اور پانچویں طریق اس کو امام احمد نے (مسند : ۳/ ۷۱) میں عکرمہ مولی زیاد عن ابی سعید الخدری سے مرفوعًا بیان کیا۔

اور چھٹا طریق اس کو احمد نے روایت کیا (مسند ۳/ ۶۴، ۹۳) میں اور ابو یعلی نے اپنی (مسند ۲/ ۲۸۹) میں اسی سند کے ساتھ لیث و عبد الحمید بن بھرام عن شہر بن حوشب نے کہا : میں اور دیگر آدمی عمرہ پر گئے پس ہم ابو سعید الخدری کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا۔ کہاں کا ارادہ ہے ؟ میں نے کہا۔ طور کا آپ نے فرمایا۔ طور کیا ہے ؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا آپ نے فرمایا۔ کوئی مسافر کسی مسجد کی طرف اللہ کا ذکر کرنے کے لیے سامان سفر نہ باندھے سوائے تین مساجد کے مسجد حرام و مسجد اقصی اور مسجد مدینہ (الحدیث) اس میں شہر بن حوشب نے یہ زیادت نقل کی۔ کسی مسجد میں ذکر کرنے کے لیے اور اس میں نماز پڑھنے کے لیے۔

اس زیادۃ کے قبول و رد میں فقہا و محدثین میں کافی کلام ہے جن محدثین نے قبول کیا ہے ان میں سے حافظ ابن حجر نے (الفتح ۳/ ۶۵) میں کہا۔

اور اس چیز کے موید وہ روایت ہے جس کو امام احمد نے شہر بن حوشب سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری سے سنا اور میں نے ان کے پاس مسجد طور میں نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا ینبغی للمصلی ان یشد	کسی نمازی کے لیے یہ مناسب
رحالہ الی مسجد تبتغی	نہیں کہ وہ سامان سفر باندھے
فیہ الصلاۃ غیر مسجد	تاکہ اس میں نماز پڑھے سوائے

الحرام والمسجد الاقصیٰ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور

ومسجدی۔ اور میری مسجد کے۔

اور شہر بن حوشب، حسن الحدیث ہے اگرچہ اس میں کچھ ضعف ہے

پس یہ قول اس فن کے شیخ کا ہے جس کا علم بے مثال ہے پس

اے آنکھوں والے اس میں غور و فکر کر کہ اس نے شہر بن حوشب کی حدیث

پر اور حدیث کی شرح کی مراد پر کیسے اعتماد کیا ہے!

ان الفاظ کے ساتھ شہر بن حوشب کا منفرد ہونا ان کو ساقط اور رد

نہیں کیا جائے گا۔ پس یہ شخص حسن الحدیث ہے جیسا کہ حافظ نے بیان

فرمایا اور کئی حفاظ حدیث نے اس کی روایت کو قبول کیا ہے!

حافظ ابن صلاح نے صیانۃ صحیح مسلم کے ص ۱۲۲ پر اسی طرف میلان کا

اظہار کیا ہے حافظ ذہبی نے سیر النبلاء (۴/۳۷۸) میں کہا اس کے ساتھ احتجاج

کو ترجیح ہے، ذہبی نے "الجزء فی من تکلم فیہ وھو موثق ص۱۰۰" میں بھی

ان پر جرح نہیں کی اگر زیادہ شدت بھی اختیار کی جائے جن الفاظ کے ساتھ شہر

بن حوشب متفرد ہیں تو یہ کبار علماء تابعین میں سے کسی سے حدیث کی تفسیر

اور روایت بالمعنی ہے۔

اہم نوٹ:۔

البانی نے شہر بن حوشب کے ان متفرد الفاظ کو بالکل ساقط قرار دیتے

ہوئے (ارواء ۳/۲۳۰) میں کہا، حوشب کے الفاظ "الی مسجد" حدیث میں

ایسا اضافہ ہے جس کی ابو سعید اور دیگر راویوں سے مروی حدیث میں کوئی اصل

نہیں یہ اضافہ منکر بلکہ باطل ہے اور اس کا سبب یا تو شہر ہے وہ صاحب

سوء حفظ ہے یا عبدالحمید ابن بہرام ہے کیونکہ اس میں کلام ہے میرے

نزدیک یہی مختار ہے، اسے لیث نے شہر سے اس اضافہ کے بغیر روایت

کیا ہے۔

میں کہتا ہوں البانی کا کلام محلِ نظر ہے۔

۱۔ شہر کے تفرد یا اضافہ کو یہ کہنا اس کی اصل نہیں درست نہیں اور اس پر بطلان کا اطلاق کرنا اور اس کا سبب شہر کو قرار دینا یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ شہر نے امام مالک، شعبہ، سفیان وغیرہ کی کبھی مخالفت نہیں کی اور جس میں کی اسکے ہاں وہ قطعی ہے پھر آدمی کی حدیث سے یا تو احتجاج کیا جاتا ہے یا تائید حاصل کی جاتی ہے تو اسے کبھی بھی آفت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

علاوہ ازیں شہر کے اس تفرد کو تمام فقہاء و محدثین نے قبول کیا ہے۔

۲۔ ہاں عبدالحمید بن بہرام میں کلام ہے لیکن اس کا شہر بن حوشب سے حدیث بیان کرنا مقبول ہے جیسا کہ اس پر متعدد حفاظ حدیث نے تصریح کی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں شہر سے اس کی احادیث متقارب ہیں، امام ابن ابی حاتم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ عبدالحمید، شہر کے حوالے سے اسی طرح ہے جیسے لیث، سعید المقبری سے ہے میں نے کہا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ فرمایا ان کی شہر سے صحاح احادیث میں کوئی حرج نہیں، شہر سے مروی احادیث سے احسن میرے علم میں نہیں، شیخ احمد بن صالح مصری کہتے ہیں عبدالحمید بن بہرام ثقہ ہیں مجھے ان کی وہ احادیث پسند ہیں جو صحاح شہر سے ہیں۔

مذکورہ گفتگو کی بنا پر عاقل ناقد کے لیے ایسی حدیث کو ضعیف قرار دینا درست نہیں جو شہر بن حوشب سے عبدالحمید بن بہرام نے روایت کی، جو ایسا کرے گا اس کا سبب قلت مطالعہ محض تعصب ہو گا۔

۳۔ البانی کا کہنا اسے لیث نے شہر سے یقیناً بغیر اضافہ کے روایت کیا۔

میں کہتا ہوں مذکورہ اضافہ لیث نے شہر بن حوشب سے مسند ابویعلی

(۲/۴۸۹) میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، تو البانی کو یقین کے بجائے احتمال کہنا چاہیئے تھا،

اہل علم و سمجھ کے لئے اس قدر گفتگو ہی کافی ہے۔

حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تخریج :۔

بخاری (الفتح ۲/۶۳) مسلم (۲/۱۰۱۴)

عبدالرزاق ۵/۱۳۲ مسند حمیدی ۲/۴۲۱

مسند امام احمد ۲/۲۳۴، ۲۳۸ و ۵۰ سنن الدارمی ۱/۲۷۲

ابوداؤد ۲/۵۲۸ نسائی ۲/۳۷

ابن ماجہ ۱/۴۵۲ مسند ابویعلی ۹/۲۸۳

السنن الکبری بیہقی ۵/۲۴۴ خطیب فی تاریخ بغداد ۹/۲۲۲

الشرح السنۃ للبغوی ۲/۳۳۷

ان تمام نے متعدد طرق سے اس کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

اور طبرانی نے (المعجم الاوسط ۲/ل ۱/۱۱) میں حضرت ابوہریرہ سے ایک منکر حدیث خیثم بن مروان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

"لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد مسجد الخیف ومسجد الحرام ومسجدی ھذا۔

سامان سفر نہ باندھا جائے مگر تین مساجد کیلئے مسجد خیف و مسجد حرام و میری یہ مسجد۔

امام طبرانی نے فرمایا: مسجد خیف کا ذکر سوائے اس حدیث کے کسی اور حدیث میں نہیں آیا۔

میں کہتا ہوں۔ اس میں ضعف و انقطاع ہے!

امام بخاری نے (التاریخ الکبیر ۲/۲۱۰) کہا

مسجد خیف کا کوئی متابع نہیں ہے اور خثیم کا ابو ہریرہ سے سماع معروف نہیں ہے۔

خثیم بن مروان کا ذکر ابن الجارود نے ضعفاء میں کیا ہے عقیلی نے کہا۔ اس حدیث پر اس کا متابع کوئی نہیں ہے اور یہ اس حدیث کے بغیر نہیں پہچانا گیا۔ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ یہ الفاظ مسجد الخیف۔ منکر ہیں اور ان کے ساتھ خثیم متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے اور اس نے ابو ہریرہ سے نہیں سنا۔

حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تخریج کی۔

مسند امام احمد: ۳/ ۳۵۰

السنن الکبریٰ للنسائی (تحفۃ الاحوذی: ۲/۱۴۱/۳) عبد بن حمید (المنتخب ص ۱۹۷ رقم ۱۹۷)

مسند ابی یعلیٰ: ۴/۱۸۲-۱۸۳) صحیح ابن حبان: ۴/۹۵/۴

المعجم الاوسط للطبرانی ۱/۱۵/۴ الحضرمی تاریخ علماء مصر ۱۰

قاسم بن قطلوبغا (عوالی اللیث ۳۵)

ان تمام نے اسی سند سے اس کو روایت کی۔

عن اللیث بن سعد عن ابی الزبیر عن جابر بہ مرفوعًا۔

امام طبرانی "المعجم الاوسط" میں کہا اس حدیث کو لیث سے علاء بن موسیٰ کے سوا کسی اور نے روایت نہیں کی۔

امام طبرانی کے اس قول میں نظر ہے۔

کیونکہ مسند میں علاء بن موسیٰ کی متابعت کی یونس بن محمد المؤدب اور قتیبہ بن سعید نے اس کی متابعت السنن الکبریٰ میں کی اور عیسیٰ بن یونس نے صحیح ابن حبان میں اور احمد بن یونس نے "المنتخب من مسند عبد بن حمید میں اور الحضرمی نے تاریخ مصر اور کامل الجحدری نے مسند ابی یعلیٰ میں متابعت کی۔

پس اس کی سند صحیح ہے چاہے علاء بن موسیٰ اس میں متفرد ہو یا اس کے متابع ہوں۔

اور لیث بن سعد بھی ابو الزبیر سے متفرد نہیں ہے۔

میرے علم کے مطابق اس کے دو متابع ہیں۔

پہلی متابعت ابن لہیعۃ۔ اس متابعت کو امام احمد نے (مسند ۳/۳۲۶) میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

ثنا حسن، ثنا ابن لھیعہ۔ ثنا ابو الزبیر عن جابر قال: قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: خیر ما رکبت الیہ الرواحل مسجد ابراھیم علیہ السلام ومسجدی

سب سے بہتر کہ سوار کے لیے کجاوے کسے وہ مسجد ابراہیم علیہ السلام اور

Marfat.com

میری مسجد ہے!

حسن وہ ابن موسیٰ، الاشیب ہے یہ ثقہ ہے اور محدثین کی جماعت نے اس سے احتجاج کیا ہے!

اور عبداللہ بن لہیعۃ مدلس ہے اور کتابیں جل جانے کے بعد اس کو اختلاط ہو گیا تھا اور اس نے سماع کی صراحت کی ہے! دوسری متابعت اس متابعت کو امام بزار نے (کشف الاستار من زوائد البزار ۲/۴) اور امام طحاوی نے (مشکل الآثار: ۱/۲۴۱) دونوں نے۔

عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی المدنی عن عبدالرحمٰن بن ابی الزناد عن موسیٰ بن عقبہ عن ابی الزبیر عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:

خیر ما رکبت الیہ الرواحل مسجد ابراہیم علیہ السلام ومسجد محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے بہتر کہ جس کی طرف سوار کجاوے کسے وہ مسجد ابراہیم اور مسجد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

یہ سند صحیح ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی الزناد اس میں صرف غیر مدنیین سے روایت میں کلام کیا گیا ہے۔ اور اس سے راوی مدنی ثقہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

اس کو ابن حبان نے (الثقات ۸/۴۵۹) اور طبرانی نے (مسند الشامیین (حدیث نمبر ۱۵۳۸) اور عقیلی نے (الضعفاء ۳/۲۵۹) اور ضیاء المقدسی نے (فضائل بیت المقدس حدیث نمبر ۵)

ان تمام نے متعدد طریقوں سے

عن علی بن یونس البلخی العابد عن هشام بن الغاز، عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تشد المطایا الا الی ثلاثۃ مساجد مسجد الحرام ومسجد هذا! والمسجد الاقصی۔

مسافر سامان نہ باندھیں مگر تین مساجد کے لیے مسجد حرام اور یہ مسجد اور مسجد اقصی۔

علی بن یونس البلخی اس کو امام عقیلی نے (الضعفاء: ۳/۲۵۶) ذکر کرتے ہوئے کہا۔

لا یتابع علی حدیث۔ اس کے حدیث پر کوئی متابع نہیں ہے،

ابن ابی حاتم نے اس بارے میں سکوت کیا اور ابن حبان نے اسکو ثقہ کہا اس سے ایک جماعت نے روایت لی ہے۔

اس کا ایک طریق ہے جو ان الفاظ سے ہے۔

لا تشد الرحال الا الی	نہ سامان سفر باندھا جائے مگر
ثلاثۃ مساجد: مسجد	تین مساجد کی طرف۔ مسجد حرام۔
الحرام، مسجد المدینۃ	مسجد مدینہ! اور مسجد اقصی۔
ومسجد بیت المقدس۔	

اسمیں طبرانی کا شیخ احمد بن محمد بن رشدین اس میں کلام مشہور اور بعض نے مبالغہ کیا اور اسے کذاب کہا ہے! لیکن یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے موقوف بھی آتی ہے اور اس کی سند مرفوع کے دونوں طریقوں سے نظیف ہے! اس کو امام بخاری نے (التاریخ الکبیر: ۷/۲۰۴) اور

عبدالرزاق نے (المصنف: ۵/۱۳۵) ابن ابی شیبہ (مصنف: ۲/۳۷۳)
عمر بن شبہ نے اخبار المدینہ (کما فی الصارم المنکی ص ۳۴۶)

سفیان بن عیینۃ عن عمرو بن طلق بن حبیب عن قزعۃ قال: سألت ابن عمر آتی الطور؟ قال دع الطور ولا تاتہا وقال: لا تشد وا الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد

قزعہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا۔ طور آؤں فرمایا طور کو چھوڑ اور وہاں نہ جا اور فرمایا کہ نہ کجاوے کسو مگر تین مساجد کی طرف

یہ سند صحیح ہے اور اس میں کوئی علت نہیں ہے۔
اور اس کا متابع۔ ورقا بن عمر سفیان بن عیینۃ عن عمرو بن دینار ہے۔

اس متابعت کو بیہقی نے (شعب الایمان: ۸/۱۰۶) میں بیان کیا ہے!
اور اسی طرح اس کا تابع ابن جریج ہے: اس متابعت کو فاکھی نے
اخبار مکہ (۲/۹۴) اور عبدالرزاق نے (المصنف: ۵/۱۳۱)
ابن عیینہ کے ثقات اور حفاظ اصحاب کی مخالفت احمد بن محمد الازرقی
نے کی اس نے ابن عمر سے مرفوعاً بیان کیا ہے جیسا کہ اس کے حفید
(پوتے) کی (اخبار مکہ ۶۴ - ۶۵) میں ہے۔
پس ازرقی کی روایت تمام ثقات کی مخالفت کی وجہ سے شاذ ہے!
لہٰذا اس شاذ روایت کی البانی کی طرف سے (احکام الجنائز ۲۸۷)
میں تصحیح واضح طور پر غلطی اور خطا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت

اس روایت کو ابن ماجہ ۱/۵۲۴ مشکل الآثار للطحاوی ۱: ۱/۲۴۲ مسند الشامیین للطبرانی : ۲/۳۰۹)

اخبار مکہ للفاکھی : ۲/۹۹ تاریخ للیعقوب بن سفیان الفسوی ۲/۲۹۵)

وغیرہم تمام نے اس سند سے روایت کی۔ یزید بن ابی مریم عن قزعۃ بن یحیی عن عبداللہ بن عمرو بہ مرفوعًا۔

اور یہ سند صحیح ہے۔

ابن ماجہ طحاوی اور طبرانی (مسند الشامیین) میں عبداللہ بن عمرو کی حضرت ابو سعید الخدری کے ساتھ ملی ہوئی روایت کی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت

اس کو طبرانی اوسط (۸/ ل۔۲۱/۲) میں اور (صغیر ۱/۱۷۳) میں اور ضیاء المقدسی نے (فضائل بیت المقدس (حدیث نمبر ۶) میں بیان کیا۔ امام طبرانی نے، المعجم الصغیر میں کہا۔

حدثنا سلمہ بن ابراھیم بن اسماعیل بن یحیی بن سلمہ بن کھیل الحضرمی الکوفی، حدثنی ابی عن ابیہ عن جدہ سلمۃ بن کھیل الحضرمی عن حجیۃ بن عدی عن علی بہ مرفوعًا۔

امام طبرانی نے کہا: اس کو سلمہ سے اس کے بیٹے یحیی کے سواء کسی نے روایت نہیں کیا اور اس سے اس کا بیٹا متفرد ہے اور اس غرابت (علت) کیطرف الضیاء المقدسی نے اشارہ فرمایا ہے۔

لہذا یہ سند سخت ضعیف ہے۔ پس ابراہیم بن اسماعیل بن یحیی بن سلمہ ضعیف ہے اور اس کا باپ اور دادا متروک ہیں!

اور امام ہیثمی نے (المجمع الزوائد: ۴/۴۳) میں صرف پہلی علت بیان کرتے پر ہی اکتفاء و اختصار کیا ہے اور کہا اس کو طبرانی نے صغیر اور الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں ابراہیم بن اسماعیل بن یحیی الکھیلی ہے اور وہ ضعیف ہے!

اور اس حدیث کا متن وہی معروف متن ہے جو حضرت ابو سعید الخدری کی حدیث شریف کا ہے!

حضرت ابو الجعد الضمری کی روایت

اس کو روایت کیا۔

بزار نے (کشف الاستار: ۲/۴؛ مشکل الآثار للطحاوی: ۱/۲۴۴؛ المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۲/۳۶۶)

فضائل بیت المقدس للضیاء المقدسی (نمبر ۵)

تمام نے عن سعید بن عمرو، ثنا عبثر، عن محمد بن عمرو عن عبیدہ بن سفیان، عن ابی الجعد الضمری کی سند سے مرفوعًا بیان کی۔

اس کے رجال صحیح کے رجال ہے۔

امام ہیثمی نے (المجمع الزوائد: ۴/۴) میں فرمایا۔

اس کو امام طبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور اس کو بزار نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع کی روایت

اس کو روایت کیا۔

الضیاء المقدسی نے (فضائل بیت المقدس نمبر ۹) میں

ایوب بن مدرک الحنفی عن مکحول عن واثلۃ بن الاسقع کی سند سے بیان کیا ہے

امام المقدسی نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ میں نے واثلہ سے اس: ایوب بن مدرک کی وجہ سے علاوہ کسی اور وجہ سے روایت لکھی ہو۔ اور یہ ایسا راوی ہے کہ اس میں کلام کیا گیا ہے۔ (انتہی)

ایوب بن مدرک کے بارے ابن معین نے فرمایا۔

لیس بشئ۔ یہ کچھ بھی نہیں (ضعیف) ہے

اور ایک مرتبہ فرمایا

کذاب: یہ کذاب ہے اور امام نسائی اور ابوحاتم نے کہا متروک ہے

ایوب بن مدرک کے ضعف کے ساتھ ساتھ اس سند میں انقطاع بھی ہے کیونکہ ایوب بن مدرک مکحول سے مرسل روایت کرتا ہے۔

(التاریخ الکبیر ۱/۱،۴۲۳)

حضرت مقدام بن معدی کرب اور حضرت ابوامامہ کی روایت

اس کو امام ابونعیم الاصبہانی نے (الحلیۃ: ۹/۳۰۸) میں

حدثنا سلیمان، ثنا موسیٰ ثنا محمد بن المبارک، ثنا اسماعیل بن عیاش، عن زید بن زرعۃ عن شریح بن عبید عن المقدام بن معدیکرب وابي امامۃ

کی سند سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

پس اس میں ضعف اور انقطاع ہے۔

ضعف تو موسیٰ بن یحییٰ بن المنذر کی وجہ سے ہے حلیۃ الاولیاء میں محمد بن المبارک الحمصی کے ترجمہ میں ایسے ہی واقع ہے۔

موسیٰ بن عیسیٰ کے بارے میں حافظ ابن حجر نے (لسان: ۶/۱۲۶-۱۲۷) کہا۔

اس سے روایت کی طبرانی نے اور یہ امام طبرانی کے قدیم شیوخ میں سے ہے اس سے امام طبرانی نے ۲۸۰ھ سے پہلے سنا ہے۔ نسائیؒ نے اس کو لکھا اور کہا۔ حمصی سے میں روایت نہیں کرتا وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ انتھی

میں (مصنف) کہتا ہوں۔ المعجم الصغیر میں اس سے ۲۷۸ھ میں سماع واقع ہے۔

اور اس سند میں انقطاع ہے کیونکہ شریح نے ابو امامہ اور المقدام کو نہیں پایا۔

ابن ابی حاتم نے کہا۔ میں نے اپنے باپ سے سُنا وہ کہتے تھے۔ شریح بن عبید الحضرمی نے ابو امامہ کو نہیں پایا اور نہ ہی حارث بن الحارث اور المقدام کو پایا ہے: (المراسیل: ۹۰)

حضرت عمر فاروق کی روایت

اس کو بزار نے مسند البزار، البحر الذخار: ۲/۲۹۱-۲۹۲) میں اس طرح روایت کیا۔

قال: حدثنا یحیی بن محمد بن السکن قال: ناحبان بن هلال واملاه علینا من کتابه عن همام عن قتادة عن ابی العالیة

عن ابن عباس عن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :

لا تشد الرحال الا الی	نہ کجاوے کسے جائیں مگر
ثلاثة مساجد مسجد حرام	ان تین مساجد کی طرف مسجد
ومسجدی ھذا و مسجد	حرام یہ میری مسجد اور مسجد
الاقصیٰ ۔	اقصیٰ ۔

امام بزار نے فرمایا ۔
ہم نہیں جانتے کہ حضرت عمر سے یہ روایت کسی اور سند سے بھی مروی ہے ۔ اور یہ خطا ہے یہ حبان کی کارستانی ہے کیونکہ اس حدیث کو ہمام وغیرہ نے قتادہ عن قزعہ عن ابی سعید کی سند سے بیان کیا ہے ۔

امام ہیثمی نے (المجمع الزوائد : ۴/۴) میں فرمایا ۔
اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں مگر بزار نے کہا ، اس میں حبان بن ہلال نے خطا کی ہے ۔

اور حبان بن ھلال ۔
ثقہ اور ثبت ہے اس کی ثقاہت پر اتفاق ہے لیکن اس حدیث میں ہمام کے شاگردوں نے اس کی مخالفت کی ہے ۔ اس نے اس کو مسند حضرت عمر فاروق میں بیان کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ مسند ابی سعید الخدری سے ہے اور اس طریق سے قتادہ کے شاگردوں نے کئی سندیں روایت کی ہیں ۔

الحمد للہ رب العالمین

۲۸ رمضان المبارک رات ۱۲ بجے بحالت اعتکاف ترجمہ ہوا

تَخْرِيجُ
أَحَادِيثِ الزِيَارَةِ

بقلم

محمود سعيد ممدوح

عفا الله تعالى عنه

١٧ - حديث : « مَنْ زَارَ قبرى وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِى » .

أخرجه الدارقطنى فى سننه (٢/ ٢٧٨) ، والدولابى فى الكنى والأسماء (٢/ ٦٤) ، والبيهقى فى « شعب الإيمان » (٣/ ٤٩٠) ، والخطيب فى « تلخيص المتشابه فى الرسم » (١/ ٥٨١) ، وابن الدبيثى فى « الذيل على التاريخ » (٢/ ١٧٠) ، وابن النجار فى « تاريخ المدينة » (ص ١٤٢) ، والعقيلى فى الضعفاء (٤/ ١٧٠) ، وابن عدى في الكامل (٦/ ٢٣٥٠) ، والسبكى فى « شفاء السقام » (ص ٢ - ١٤) .

جميعهم من طرق عن موسى بن هلال العبدى ، عن عبيد الله بن عمر وعبد الله بن عمر كلاهما عن نافع عن ابن عمر به مرفوعاً .

وهذا الإسناد حسن سواء قال موسى بن هلال عن عبيد الله بن عمر أو عن أخيه عبد الله بن عمر أو عنهما .

وقد صححه عبد الحق الأشبيلى ، وصححه أو حسنه السبكى فى « شفاء السقام » ؛ والسيوطى فى « مناهل الصفا فى تخريج أحاديث الشفا » ، وآخرون ممن تأخروا عنه .

وقد أُعل هذا الحديث بعلل لا يصح منها شيء لكن لا بد من ذكرها ثم الجواب عليها بدون تكلف إن شاء الله تعالى .

فأُعِل الحديثُ بالآتى :

١- موسى بن هلال مجهول واضطرب فى هذا الحديث .

٢- أن موسى بن هلال يرويه عن عبد الله بن عمر العمرى ولا .

تصح روايته عن عبيد الله بن عمر الثقة الحافظ .

٣ - أن عبد الله بن عمر العمرى ضعيف .

وهذه العلل لا تصح وهي غير ناهضة للحكم على الحديث بالضعف للآتى :

١ - موسى بن هلال حسن الحديث ، وقد قال عنه ابن عدى : أرجو أنه لا بأس به ، وقال الذهبى : صالح الحديث ، وروى عنه عدد من الأئمة الحفاظ من أجلهم أحمد بن حنبل ، هب أن موسى ابن هلال ضعيف فهو لم ينفرد به بل تابعه غيره عليه ، فزال بذلك أى تعلق للمتشددين فى موسى بن هلال .

ودعوى الاضطراب لا تصح إلا مع تعذر الجمع بين الروايات ، وقد أمكن الجمع من جهتين كما سيأتى إن شاء الله تعالى .

٢ - وقد ثبت الحديث من طرق متعددة عن موسى بن هلال عن عبيد الله بن عمر الثقة الحافظ فلا مجال فى الطعن فى ثبوت روايته للحديث عن عبيد الله بن عمر .

٣ - إن سُلِّم أنَّ موسى بن هلال لا يرويه إلا عن عبد الله بن عمر العمرى ، فالعمرى حسن الحديث ، كما قال غير واحد من الأئمة ، وهذا ابن عبد الهادى الذى أقام الدنيا ولم يقعدها وحشد الأقوال فى تضعيف عبد الله بن عمر العمرى قد استدل بحديثه فى تنقيح التحقيق (١٢٢/١) .

هذا ما أردت أن ألفت نظر القارىء إليه على سبيل الإجمال ، وهاك تفصيل ما أجملت على طريقة اللف والنشر المرتب والله

المستعان :

أما عن **الأمر الأول** : فموسى بن هلال العبدى حسن الحديث .

فقد قال عنه أبو حاتم الرازى فى « الجرح » (٨/ ١٦٦) « مجهول » ، وقال العقيلى (٤/ ١٧٠) : ولا يصح حديثه ولا يتابع عليه . وقال الدارقطنى فى سؤالات البرقانى : مجهول .

هذا حاصل ما قيل فى الرجل الرمى بالجهالة والتفرد .

أما عن الجهالة (١) فهى مردودة بمعرفة غيره له ، فقد روى عنه عدد كبير من الرواة وفيهم أئمة حفاظ منهم الإمام أحمد بن حنبل وعدَّه ابنُ الجوزى فى مناقب الإمام أحمد (ص ٤٩) من شيوخه .

وروى عنه غير أحمد بن حنبل جماعة منهم أحمد بن الخليل ، ومحمد بن إسماعيل الأحمسى ، وأبو أمية محمد بن إبراهيم الطرسوسى ، وعبيد بن محمد الوراق ، والفضل بن سهل ، وجعفر ابن محمد البزورى ، ومحمد بن زنجويه العسيرى ، وعلىّ بن معبد ابن نوح ، والعباس بن الفضل ، وهارون بن سفيان ، ومحمد بن جابر المحاربى ، وأحمد بن أبى غرزة ، وأبو محمد عبد الملك بن إبراهيم ، ومحمد بن عبد الرزاق .

وإذا كانت جهالة الظاهر ترتفع برواية اثنين أو واحد كما هو مقرر فى موضعه ، فما بالك بمن روى عنه خمسة عشر رجلاً .

وكان الرجلُ مشهوراً فاعتمده يعقوب بن سفيان الفسوى فى معرفة

---

(١) وقد تبع ابنُ القطان أبا حاتم الرازى فما أصاب .

Marfat.com

وفيات بعض البصريين (انظر المعرفة والتاريخ : ١/ ١٢٢، ١٢٧، ١٢٨) .

أما عن جهالة الحال فهى مردودة بأمرين : الأول : بقول ابن عدى فى « الكامل » (٦/ ٢٣٥٠) : أرجو أنه لا بأس به .

وإذا كان قد تقرر فى المصطلح أن التزكية تقبل بقول واحد فقط فى الرواية ، فمن روى عنه خمسة عشر رجلاً وفيهم أئمة حفاظ وزكّاه ابن عدى بقوله لا بأس به ، لأبد أنه غير مجهول بل حديثه مقبول . وهذا حال كثير من الرواة الذين يصحح الأئمة حديثهم .

والثاني : روى عنه أحمد (مناقب أحمد لابن الجوزى ص ٤٩) وهو لا يروى إلا عن ثقة كما هو مقرر فى محله .

فإن قيل : قد قال ابن عبد الهادى رحمه الله تعالى فى الصارم المنكى فى الجواب على ذلك (ص ٤٠ - ٤١) ما نصه :

« الجواب : أن يقال رواية أحمد عن الثقات هو الغالب من فعله ، والأكثر من عمله كما هو المعروف من طريقة شعبة ومالك وعبد الرحمن ابن مهدى ويحيى بن سعيد القطان وغيرهم وقد يروي الإمام أحمد قليلاً فى بعض الأحيان عن جماعة نُسبوا إلى الضعف وقلة الضبط وذلك على وجه الاعتبار والاستشهاد لا على طريق الاجتهاد والاعتماد مثل روايته عن عامر بن صالح الزبيرى ومحمد بن القاسم الأسدى وعمر بن هارون البلخى وعلىّ بن عاصم الواسطى وإبراهيم بن أبى الليث صاحب الأشجعى ويحيى بن يزيد بن عبد الملك النوفلى ونصر بن باب وتليد بن سليمان الكوفى وحسين بن حسن

Marfat.com

الأشقر وأبى سعيد الصاغانى ومحمد بن ميسر ونحوهم ممن اشتهر الكلام فيه ، وهكذا روايته عن موسى بن هلال إن صحت روايته عنه [١] » . ا هـ .

قلت : هنا أمور :

الأول : أحمد لا يروى إلا عن ثقة ولكن أحياناً يروى عن الضعفاء لأسباب منها :

أنه لم يتبين أمر الضعيف له .

ومنها أنه يروى عنه على سبيل التعجب كما كان يروى شعبة عن جابر الجعفى ومحمد بن عبيد الله العرزمى .

ومنها الرواية عنهم فى غير الحلال والحرام كما فى ترجمة موسى ابن عبيدةَ الربَذى ، إذا عُلِّم ذلك وكان قد استقر لدينا أن الإمام أحمد بن حنبل لا يروى إلا عن ثقة ، فهل رواية أحمد عن موسى ابن هلال مقوية لحال موسى أم ماذا ؟

قلتَ : قال ابن أبى حاتم الرازى (الجرح : ٣٦/٢) سألت أبى عن رواية الثقات عن رجل غير ثقة مما يقويه ؟ قال : إذا كان معروفاً بالضعف لم تقوه روايته عنه ، وإذا كان مجهولاً نفعه روايته عنه . ا هـ .

---

(١) هذا ظلم بيِّنٌ لموسى بن هلال إذ كيف يسوى ابن عبد الهادى بين موسى ابن هلال وبين المذكورين ؟! ، وفيهم أقوياء فى الضعف جداً كعامر بن صالح الزبيرى الذى كذبه ابن معين ، ومحمد بن القاسم الأسدى الكذاب ، وعمر بن هارون البلخى المتروك ، وإبراهيم بن أبى الليث المتروك أيضاً وبضرب هذه الأمثلة يظهر للبيب سعى ابن عبد الهادى الحثيث لتضعيف موسى بن هلال العبدى ولو عن طريق التشدد المكشوف !

ثم قال ابن أبى حاتم : سألت أبا زرعة عن رواية الثقات عن رجل مما يقوى حديثه ؟ قال : أى لعمرى ، قلت : الكلبى روى عنه الثورى ، قال : إنما ذلك إذا لم يتكلم فيه العلماء ، وكان الكلبى يُتكلم فيه ، قال أبو زرعة : حدثنا أبو نعيم ، نا سفيان ، نا محمد ابن السائب الكلبى وتبسم الثورى ، قال أبو محمد : قلت لأبى ما معنى رواية الثورى عن الكلبى وهو غير ثقة عنده ، فقال : كان الثورى يذكر الرواية عن الكلبى على الإنكار والتعجب . ا هـ

ومنه يعلم أن رواية الثقة فى نظر أبى زرعة الرازى مفيدة فى حالتين :

الأولى : إذا كان المروى عنه مجهول الحال (١) .

الثانية : إذا كان الراوى غير ضارب فى الضعف متوغلاً فيه كمحمد ابن السائب الكلبى وجابر الجعفى وعامر بن صالح الزبيرى وعمر بن هارون البلخى وأضرابهم .

وعليه فرواية أحمد مقوية لموسى بن هلال العبدى فهو مجهول الحال عند بعضهم ، وقد روى عنه فى كتبه وخارجها ، فروى عنه فى « الزهد » ، وأسند الفسوى من طريق أحمد عن موسى بن هلال هذا على سبيل التنزل فقط مع القائلين بجهالة موسى بن هلال العبدى وإلا فالرجل من شرط الحسن ، وقد قال الزركشى فى المعتبر فى تخريج أحاديث المنهاج والمختصر ص ٢٢٦ : وقال أهل هذا الشأن : إن جهالة الرواى لاتوجب قدحاً إذا كان من روى عنه ثقة فإن روايته عنه تكون تعديلاً له . اهـ

والحاصل مما سبق أن إطلاق جهالة الحال على موسى بن هلال من ابن عبد الهادى (الصارم ص ٣٢) فيها نظر ظاهر ، وانظر إلى المقال ولا

(١) وهذا تجدُ أمثلةً كثيرة له فى كتب الرجال .

تنظر لمن قال ، فإذا وافق المقالُ القواعدَ فهو الحق ، وإن خالفه فهو مما لا يلتفت إليه والله المستعان .

أما قول العقيلي في الضعفاء (٤/ ١٧٠) : لا يصح حديثه ولا يتابع عليه . اهـ

فالناظر والمدقق فيه يرى أن آخره سبب لأوله .

فلأن موسى بن هلال لا يتابع عليه (أي حديث الزيارة فلا يصح حديثه ، وذلك في نظر واطلاع العقيلي) .

وفي الجواب على ذلك يقال :

إن قوله : لا يتابع عليه (وهو الأساس المبني عليه) ليس من الجرح في شيء ولم يذكره المصنفون في مراتب الجرح إنما هو علامة على التفرد فقط .

قال الحافظ ابن رجب في « شرح علل الترمذي » (ص ٢٦٤) :

وأما أكثرُ الحفاظِ المتقدمين فإنَّهم يَقولون في الحديث إذا تفرد به واحدٌ ، وإن لم يروِ الثقات خلافه : إنه لا يتابع عليه ، ويجعلون ذلك علةً فيه . اهـ

فالرجل عند العقيلي ليس في أعلى درجات التوثيق حتى يصحح له ما انفرد به ولم يتابع عليه ، وليس هو في الدرجة الدنيا من الجرح فيترك حديثه ، ولكنه وسط أو صالح الحديث .

أما وقد توبع الرجل كما سيأتي إن شاء الله تعالى ، فحديثه مقبول حتى عند العقيلي .

وقد تعقب الحافظ فى « التلخيص » (٢/ ٢٦٧) ، قول العقيلى، فقال : وفى قوله (أى العقيلى) لا يتابع عليه نظر ، ثم ذكر المتابعة التى ستأتى إن شاء الله تعالى .

وصفوة القول مما تقدم أن الرجل غير مجهول وليس فيه إلا قول العقيلى لا يصح حديثه ولا يتابع عليه (إذا اعتبرت هذا من الجرح الذى يزول بالمتابعة) .

وفى مقابلة ما سبق تجد قول ابن عدى فى « الكامل » (٦/ ٢٣٥٠) : أرجو أنه لا بأس به مع توثيق ضمنى من أحمد بن حنبل بروايته عنه .

فتحسين حديث موسى بن هلال هو ما أراه صواباً والله أعلم .

وقد قال الحافظ الذهبى فى الميزان (٤/ ٢٢٦) بعد حكاية أقوال أبى حاتم والعقيلى وابن عدى فى موسى بن هلال قال : هو صالح الحديث .

* * *

أما عن الأمر الثانى وهو إثبات رواية موسى بن هلال للحديث عن عبيد الله بن عمر وعبد الله بن عمر :

فقد اختلف على موسى بن هلال العبدى فى رواية الحديث ، فبعضهم قال عن موسى بن هلال عن عبيد الله ابن عمر المصغر ، وقال آخرون عن عبد الله بن عمر المكبر .

فمن قال عن عبيد الله بن عمر المصغر الحافظ الثقة جماعة هم :

١ - عُبيد بن محمد الورَّاق .

٢ - وجَعْفر بنُ محمد البَزوزى .

٣ - ومحمدُ بنُ إسماعيل بن سمرة الأحْمَسى .

٤ - والفضلُ بنُ سهل .

٥ - ومحمد بن عبد الرزاق .

فرواية الأول وهو عبيد بن محمد الوراق أخرجها الدارقطنى فى سننه (٢/٢٧٨) ، ثنا القاضى المحاملى ، نا عبيد بن محمد الوراق ، نا موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر به .

قلت : القاضى المحاملى هو أبو عبد الله الحسين بن إسماعيل الضبى المحاملى ثقة حافظ ، والوراق ثقة مترجم فى « تاريخ الخطيب » (١١/٩٧) .

وقد اتفقت عدةُ نسخ مُعْتمدة من سنن الدارقطنى على ذكر عبيد الله ابن عمر المصغر منها نسخة ابن بشران المطبوعة ومنها نسخة أبي طاهر محمد بن أحمد بن عبد الرحيم كما فى شفاء السقام (ص ٣) ، ورواية أبى النعمان تراب بن عبيد كما فى الشفاء أيضاً (ص ٥) ، وأخرجه الخلعى فى فوائده من طريق أبى النعمان (ل ٥٥/ ١) .

وهكذا اتفقت روايات الدارقطنى على ذكر عبيد الله بن عمر المصغر ، وتابع القاضى المحاملى عن عبيد بن محمد الوراق محمدُ ابنُ زنجويه العسيرى .

ورواية الثانى : وهو جعفر بن محمد البَزُورى أخرجها العقيلى فى الضعفاء (٤/ ١٧٠) ، ثنا محمد بن عبد الله الحضرمى ، ثنا جعفر ابن محمد البَزُورى ، ثنا موسى بن هلال البصرى عن عبيد الله به .

ورواية محمد بن إسماعيل بن سمرة الأحمسى أخرجها البيهقى فى شعب الإيمان (٣/ ٤٩٠) ، وأسندها تقى الدين السبكى فى « شفاء السقام » (ص ٧) .

ورواية الفضل بن سهل أخرجها البيهقى فى « شعب الإيمان » (٣/ ٤٩٠) .

ورواية محمد بن عبد الرزاق أخرجها القاضى عياض فى الشفا (٢/ ٧٠٤) .

فهؤلاء خمسة من الرواة قالوا عن « عبيد الله بن عمر » الثقة الحافظ ، فلا مجال بعد للطعن فى هذه الرواية .

* * *

فصل

وأما من قال عن عبد الله بن عمر العمرى المكبر :

١ – فعلىّ بن معبد بن نوح .

٢ – والفضل بن سهل .

٣ – ومحمد بن إسماعيل الأحمسى .

٤ – وعبيد بن محمد الوراق .

أما حديث علىّ بن معبد بن نوح ، فأخرجه الدولابى فى الكنى (٢/ ٦٤) .

وحديث الفضل بن سهل أسنده التقى السبكى من طريق ابن أبى الدنيا (شفاء السقام ص ٩) .

ورواية محمد بن إسماعيل الأحمسى أخرجها البيهقى فى شعب الإيمان (٣/ ٤٩٠) .

ورواية الوراق أخرجها الخطيب فى تلخيص المتشابه فى الرسم (١/ ٥٨١) .

فحاصلُ ما تقدم أنَّ الحديثَ رواه عن موسى بن هلال العبدى ستةٌ قال خمسة منهم عبيد الله المصغر ، وثلاثة رووه بالوجهين ، وانفرد الخامس بقوله عن عبد الله بن عمر فقط .

وسبب ذلك كثرة الرواة عنه .

وللمحدثين فى ذلك مسلكان : إما أن يقولوا بالترجيح ، وبذلك ترجح رواية عبيد الله بن عمر المصغر .

والمسلك الثانى : أن تقول : يحتمل أن يكون الحديث عن عبيد الله المصغر وأخيه عبد الله المكبر ، ويكون الراوى عنهما موسى بن هلال العبدى قد رواه عنهما إلا أنه كان يكثر من الرواية به عن عبيد الله بن عمر المصغر الحافظ الثقة .

والألبانى مع تشدده اعترف بثبوت الروايتين (عبيد الله وعبد الله ابنى عمر) ، فقال : لأن الطرق بالروايتين عنه متقابلة . (الإرواء : ٤/ ٣٣٧) .

لكنه بحث عن علة فلم يجد إلا الاضطراب ، وما أضعفها من علة ، وسيأتى الجواب عليها إن شاء الله تعالى .

وحاصلُ ما تقدم أنَّ الحديث ثابت ثبوت الجبال برواية موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر الإمام الثقة الحافظ .

فصل

فإن قيل : قال ابن عبد الهادى فى الصارم (ص ٣٩ - ٤٠) ما نصه :

« وكأن موسى بن هلال حدث به مرة عن عبيد الله فأخطأ لأنه ليس من أهل الحديث ولا من المشهورين بنقل ، وهو لم يدرك عبيد الله ولا لحقه ، فإنَّ بعضَ الرواة عنه لا يروى عن رجل عن عبيد الله وإنَّما يروى عن رجل آخر عن عبيد الله ، فإنَّ عبيد الله متقدمُ الوفاة كما ذكرنا ذلك فيما تقدم بخلاف عبد الله فإنَّه عاش دهراً بعد أخيه عبيد الله ، وكأن موسى بن هلال لم يكن يميز بين عبيد الله وعبد الله ولا يعرف أنهما رجلان ، فإنه لم يكن من أهل العلم ولا يعتمد عليه فى ضبط باب من أبوابه ». اهـ

قلت وبالله استعنت : **هذا تهويل وتشدد وكلام يحتمل دعاوى مغايرة للواقع وتعصب ممقوت ، ولولا اغترار بعض الناس به(١) ما نبهت عليه .**

قوله : « وكأن موسى بن هلال حدث به مرة عن عبيد الله فأخطأ » .

قلت : بل حدث به موسى بن هلال عن عبيد الله بن عمر بأسانيد صحيحة مرات وبمخارج متعددة ؛ فقد رواه هنا من هذا الوجه - كما سبق - خمسة من الثقات وتعددت مخارجهم ، وهذه دعوى باضطراب موسى بن هلال ، ولما وجد ابن عبدالهادى أنه لم يسبق إلى هذه الدعوى

---

(١) منهم الألبانى الذى نقل هذا الكلام بعلله الظاهرة فى إروائه (٤/ ٣٣٧ - ٣٣٨) ..

Marfat.com

أراد أن يؤيدها بنفي رواية موسى بن هلال عن عبيد الله واستدل على ذلك بأمرين :

الأول : وهو قوله : « وهو لم يدرك عبيد الله ولا لحقه . . . إلخ » .

قلت : بل أدركه إدراكاً بيّناً ، فقد روى موسى بن هلال عن متقدمي الوفاة مثل كهمس بن الحسن البصري المتوفى سنة ١٤٣ على ما في المعرفة والتاريخ للفسوي ، وروايته عنه في الحلية (٦/ ٢١٣) أيضاً .

وروى عن هشام بن حسان كما في « الزهد » للإمام أحمد (ص ٢٧٩) ، و« الحلية » (٦/ ٢١٢) ، وتوفي هشام بن حسان سنة ١٤٧ أو سنة ١٤٨ .

إذا علم ذلك فروايته عن عبيد الله بن عمر صحيحة لأنه أدركه إدراكاً بيّناً ، ثمّ إنّه رَحَل للحجازِ كما في الحلية (٦/ ٣١٣) .

وهذا مما يؤيد ويؤكد رواية موسى بن هلال عن عبيد الله بن عمر .

الثاني : قوله : فَإنَّ بعضَ الرواة عنه لا يروى عن رجل عن عبيد الله ، وإنما يروى عن رجل آخر عن عبيد الله . اهـ

قلت : الأمر سهل ولا يحتاج لحشد الأدلة الواهية والإعراض عن رد هذه الواهيات أولى لأولى النظر ، لكن لما رأيت اغترار بعضهم بكلامه تعين بيان ما فيه .

وليعلم أنّ هذا الكلام مخدوش بقوله « بعض » ، فمعنى ذلك أنّ البعض الآخر يروى عن عبيد الله العمري بواسطة واحدة ، هذا إجمال .

★ أمَّا التفصيل :

فمن الرواة عن موسى بن هلال « أحمد بن حنبل » ، وقد روى عن يحيى بن سعيد وعبد الرزاق وحماد بن أسامة وأبى معاوية فى رجال آخرين عن عبيد الله بن عمر .

ومنهم أبو أمية الطرسوسى وعلىّ بن معبد بن نوح البغدادى كلاهما عن روح بن عبادة عن عبيد الله بن عمر .

ومنهم محمدُ بن إسماعيل الأحمسى ومحمد بن جابر المحاربى كلاهما عن وكيع عن عبيد الله بن عمر ، والأخير عن ابن عيينة عن عبيد الله بن عمر .

والحاصل أنه يجب أن يحكم على الحديث بالاتصال من طريق موسى بن هلال عن عبيد الله ، حيث لم يعلم انتفاء اللقاء بينهما بل ترجح ثبوته ، فعند ذلك يكون الحكم للاتصال كما هو مقرر . والله أعلم .

ثم قال ابن عبد الهادى : وكأن موسى بن هلال لم يكن يميز بين عبيد الله وعبد الله ولا يعرف أنَّهما رجلان ، ثم استدل على ذلك بقوله : فإنه لم يكن من أهل العلم ولا يعتمد عليه فى ضبط باب من أبوابه . ا هـ

قلت : هذا تابع لدعوى الاضطراب التى ادعاها ابن عبد الهادى وردها . سيأتى إن شاء الله تعالى .

ثم إنَّ الرجل قد روى عنه خمسة عشر رجلاً ، فيهم أئمة حفاظ

فى أعلى درجات التوثيق [١]، كيف يكون فى نهاية التردى والسقوط والاختلاط والجهل الذى ادعاه الرجل، ثم كيف يكون الرجل بالصورة التى ادعاها ابنُ عبد الهادى ويعتمده حافظ جليل كيغقوب ابن سفيان الفسوى فى معرفة وفيات البصريين . انظر (١/ ١٢٢ ، ١٢٧ ، ١٢٨) .

والأمر سهل للغاية ، فالحديث قصير المتن مشهور الإسناد .

ثم إن تعجب فعجب من دعوى الاضطراب التى ادعيت ، وهى كلمة تقال استرواحاً ، والأمر فيه تفصيل .

فإنَّ المقرر عند علماء الحديث أنَّ الاضطراب إنَّما يكون حيث تختلف الروايات بالتنافى مع تعذر الجمع ، فالمراتب ثلاث فى هذا الباب جمع فترجيح فاضطراب ، والترتيب واجب عند أولى الألباب .

قال الحافظ العراقى فى ألفيته (١/ ٢٢١ فتح المغيث) :

مُضْطَرِبُ الحَديثِ مَا قَدْ وَرَدَا مُخْتَلِفا مِنْ واحِدٍ فأزْيَدَا
فى متْنٍ أوْ سَنَدٍ إنْ اتضَحْ فيه تساوى الخُلْفُ أمَّا إنْ رَجَحْ
بعضُ الوجوهِ لم يكنْ مضطرِبَا والحكمُ للراجحِ مِنْهَا وَجَبَا

وإذا كانت الروايات قد صحت إلى موسى بن هلال برواية الحديث على الوجهين ، فالجمع هنا واجب بأن نقول قد روى موسى

---

(١) ومنهم إمام ابن عبد الهادى وشيخ مذهبه الإمام المبجل أحمد بن حنبل الشيبانى رحمه الله تعالى .

الوجهين وكان يحدث تارة بوجه وتارة أخرى بالوجه الآخر . والله تعالى أعلم بالصواب .

* * *

فصل

قال ابن عبد الهادى رحمه الله تعالى فى الصارم (ص ٣٤) ما نصه:

ولو فرض أنَّ الحديث من رواية عبيد الله لم يلزم أنْ يكون صحيحاً فَإنَّ تفرد موسى بن هلال به عنه دون سائر أصحابه المشهورين بملازمته وحفظِ حديثِه وضبطِه من أدل الأشياء على أنه منكر غير محفوظ ، وأصحاب عبيد الله بن عمر المعروفون بالروايةِ عنه مثل يحيى بن سعيد القطان .

ثم ذكر جملة من أصحاب عبيد الله إلى أنْ قالَ :

فإذا كان الحديثُ لم يروه عن عبيد الله أحد من هؤلاء الأثبات ، ولا رواه ثقةٌ غيرهم علمنا إنه منكر غير مقبول وجزمنا بخطأ من حسنه أو صححه . اهـ

قلت : إذا تفرد الرجل بحديث لا يعد ذلك منكراً إلا بشرطين .

الأول : أن يكون المنفرد ضعيفاً لا يصحح حديثه أو يحسن .

الثانى : أن لا يوجد ما يقوى حديثه من متابعات وشواهد .

قال الحافظ فى « النكت » (٢/ ٦٧٥) :

إذا انفرد المستور أو الموصوف بسوء الحفظ أو المضعف فى بعض

مشايخه دون بعض بشيء لا متابع له ولا شاهد فهذا أحد قسمى المنكر . ا هـ

وموسى بن هلال العبدى ليس بمستور أو سيء الحفظ أو مضعف ، كيف يكون كذلك ، وقد روى عنه أئمة حفاظ ثقات كالإمام أحمد ، وقال عنه ابن عدى : لا بأس به ، وقال الذهبى : صالح الحديث .

فإذا اعتبرنا تفرد من كان على هذه الحال من قبيل المنكر لأعرضنا عن شطر عظيم من السنّة والله المستعان .

وإن سلمنا لابن عبد الهادى بتضعيف موسى بن هلال العبدى ، فلا يعتبر ما تفرد به منكراً لوجود الشواهد المتكاثرة لهذا الحديث بل والمتابع كما سيأتى إن شاء الله تعالى .

وقد أشفقت على علوم الحديث التى تغافل عنها ابن عبد الهادى رحمه الله لغرض ينصره .

* * *

فصل

وإذا سلمنا بتضعيف موسى بن هلال العبدى .

فمثله لا يختلف اثنان (١) أنّ حديثه يحسن إذا توبع وجاء من طريق آخر .

فقد أخرج الطبرانى (١٣/ ٢٩١) ، من حديث عبد الله بن محمد العبادى البصرى ، ثنا مسلم بن سالم الجهنى ، حدثنى عبيد الله ابن عمر ، عن نافع عن سالم عن ابن عمر قال : قال رسول الله ﷺ : « من جاءنى زائراً لا يعمل له حاجة إلا زيارتى كان حقاً على أن أكون له شفيعاً يوم القيامة » .

---

(١) بشرط أن لايكون أحدهما ابن عبد الهادى .

وقال الهيثمى فى « مجمع الزوائد » (٤ / ٢) : رواه الطبرانى فى الأوسط والكبير ، وفيه مسلمة بن سالم وهو ضعيف . اهـ

هكذا أخرجه الطبراني والخلعى وابن صاعد فقالوا عن نافع عن سالم ، وقال ابن المقرى فى معجمه عن نافع وسالم .

وكلهم من طريق عبد الله بن محمد العبادى عن مسلمة عن عبيد الله العمرى ، وعبد الله بن محمد العبادى البصرى ترجمه السمعانى فى الأنساب .

وتابعه من هو أحسن حالاً منه أعنى « مسلم بن حاتم الأنصارى » .

فقد وثقه الترمذى والطبرانى وابن حبان (التهذيب : ١٠ / ١٢٥)

رواه عن مسلمة بن سالم الجهنى عبد الله يعنى العمرى ، حدثنى نافع عن سالم عن ابن عمر قال : قال رسول الله ﷺ : « من جاءنى زائراً لم تنزعه حاجةٌ إلا زيارتى كان حقاً علىّ أن أكون له شفيعاً يوم القيامة » .

قلت : وما رواه مسلم بن حاتم الأنصارى هو الأصح لأن مسلماً أوثق من عبد الله بن محمد العبادى .

والحاصل : أن السند صح إلى مسلمة بن سالم الجهنى فانحصر الكلام فيه .

فأقول : الرجل وإن قال عنه أبو داود ليس بثقة . لكن صحح له ابن السكن ، ومقتضى ذلك أن يكون ثقة عنده ، فمع توثيق ابن السكن وكلام أبى داود ، فالرجل يصلح للمتابعات ولا ريب .

* * *

Marfat.com
Marfat.com

فصل

وقد تقعقع ابن عبد الهادى رحمه الله تعالى كعادته فأخذ يضعف هذه المتابعة فقال :

إنَّه حديث ضعيف الإسناد ، منكر المتن ، لا يصلح الاحتجاج به ، ولا يجوز الاعتماد على مثله ، ولم يخرجه أحد من أصحاب الكتب الستة ، ولا رواه الإمام أحمد فى مسنده ، ولا أحد من الأئمة المعتمد على ما أطلقوه فى روايتهم ولا صححه إمام يعتمد على تصحيحه ، وقد تفرد به هذا الشيخ (١) الذى لم يعرف بنقل العلم ولم يشتهر بحمله ولم يعرف من حاله ما يوجب قبول خبره ، وهو مسلمة بن سالم الجهنى الذى لم يشتهر إلا برواية هذا الحديث المنكر وحديث آخر موضوع ذكره الطبرانى بالإسناد المتقدم ومتنه الحجامة فى الرأس أمان من الجنون والجذام والبرص والنعاس والضرس . وروى عنه حديث آخر منكر من رواية غير العبادي ، وإذا تفرد مثل هذا الشيخ المجهول الحال القليل الرواية بمثل هذين الحديثين المنكرين عن عبيد الله ابن عمر أثبت آل عمر بن الخطاب فى زمانه وأحفظهم عن نافع عن سالم عن أبيه عبد الله بن عمر من بين سائر أصحاب عبيد الله الثقات المشهورين والأثبات المتقنين علم أنَّه شيخ لا يحل الاحتجاج بخبره ولا يجوز الاعتماد على روايته . ا هـ

قلت : أمَّا كونه ضعيف الإسناد منكر المتن، فهو معارض بتصحيح من هو أعلم وأقدم وأقعد بهذا الفن منه،أعنى الحافظ أبا

---

(١) وأغرب ابن عبد الهادى فقال : إنه مجهول الحال (الصارم المنكى ص ٦٩) .

Marfat.com

عليّ بن السكن (١) الذى صحح هذا الطريق بمفرده . فما بالك وهذا الطريق متابع لموسى بن هلال البصرى فهو مقبول حسب القواعد .

أما كونه « منكر المتن » ، فهى دعوى لا يسندها إلا الدفع بالصدر فقط ، فلا دليل أتى به ابنُ عبد الهادى ليقيم به صلب هذه الدعوى المتهاوية !

أما قوله ولم يخرجه أحد من أصحاب الكتاب الستة ولا رواه الإمام أحمد فى مسنده . . . إلخ ، فهذا اعتراض لا يليق بعارف بالحديث كابن عبد الهادى وعندما عرف العلماء الحديث الصحيح لم يشترطوا أنَّ يكون مروياً فى الكتب التى ذكرها ابن عَبد الهادى وغيرها ، **لأن العبرة بالسند لا بالكتاب ما خلا الكتب التى لها شروط معينة ، إذ الكتاب لا يفيد الحديث قوة أو ضعفاً ، وكذلك صاحب الكتاب لا يفيد الحديث شيئاً إذا كان السند الذى ذكره فى كتابه ضعيفاً.**

وقد يكون الكتاب مشحوناً بالمنكرات والواهيات والموضوعات ويسند صاحبه فيه أحاديث صحيحة وحسنة ومتابعات مقبولة فيحكم لها بالصحة أو الحسن حسب حال السند ،وبغض النظر عن الكتاب وهكذا الأمر فى جميع كتب السُنَّة إلا من اشترط شرطاً لكتابه كأصحاب الصحاح والمستخرجات .

والحاصل : أنَّ كلامَ ابنِ عبد الهادى مخالفٌ لأدنى قواعد

(١) وعندما رتب ابنُ حزم كتب السُنَّة جعل صحيح ابن السُّكن ثالث الكتب بعد الصحيحين .

علم الحديث الشريف وهى تعريف الحديث الصحيح الذى لم يشترط أن يكون مروياً فى كتاب كذا وليس فى كتاب كذا . والله المستعان .

على أنَّ هذه المتابعة صححها ابن السكن بإيراده إياها فى صحيحه ، وأخرجها الطبرانى فى معجميه الكبير والأوسط وهما من أهم أصول الإسلام المعتنى بها .

وقد قال ابن تيمية فى المنهاج (٢/ ١٢٢) :

« من المعلوم أنَّ الأحاديث المنقولة لا يميز بين صدقها وكذبها إلا بالطرق الدالة على ذلك » . ا هـ

فانظر إلى قوله (بالطرق) ، ولم يقل بالكتب . والله المستعان .

وأما قول ابن عبد الهادى : « وقد تفرد به هذا الشيخ ... » إلخ .

قلت : قد مر أنَّ الشيخ هو مسلمة بن سالم الجهنى لم ينفرد به ، بل تابعه بلديه موسى بن هلال البصرى ، وكذا تقدم الكلام على صلاحية مسلمة بن سالم الجهنى للمتابعات ، ثم أراد أن يجهز على الرجل ويطيح به أرضاً ، فحكم على حديثين أخرجهما له الطبرانى بالوضع والنكارة .

أما الأول : وهو حديث الحجامة فى الرأس أمان من الجنون والجذام والبرص والنعاس والضرس ، فلم يسبق ابن عبد الهادى - والله أعلم - فى الحكم على الحديث بالوضع .

وكيف يحكم عليه بالوضع وله شاهد عن ابن عباس أخرجه العقيلى (١/ ٨٣) ، وابن عدى (٦/ ٢٠٧٤) ، وفيه إسماعيل بن شيبة الطائفى ، وهو وإن كان ضعيفاً لكنه لم يتهم بالكذب ، فإذا

ضممنا هذا الشاهد لحديث مسلمة بن سالم الجهنى كان الحكم عليه بالوضع بعيد جداً عن قواعد الحديث . والله المستعان .

أما الحديث الآخر : فالخطب فيه هين ، والأمر فيه ليس بعظيم ولا يخرج الرجل عن الاستشهاد به ، واقتصر الهيثمى فى المجمع (٣/ ٢١١) على تضعيف الحديث بمسلمة بن سالم فقط ، وهو يعنى اعتباره فى المتابعات والشواهد ، وهو قول حافظ ناقد ثاقب الرأى ليس بمتشدد أو جَرَّاح .

قوله : وإذا تفرد مثل هذا الشيخ المجهول الحال القليل الرواية بمثل هذين المنكرين عن عبيد الله بن عمر . . . إلخ .

قلت : دعوى لم يسبق إليها ، فلا الرجل بمجهول الحال ولم يصرح أحد بذلك .

فقد روى عنه جماعة ، وصحح له ابن السكن ، وقال عنه أبو داود : ليس بثقة ، وكان إماماً لمسجد بنى حرام بالبصرة ، فكيف يكون مجهولاً بعد ذلك ؟

على أن تفرده عن عبيد الله العمرى لا يضره .

فقد تابعه بلديه موسى بن هلال البصرى ، وقد مر الكلام على مثل هذه الشبهة . والله المستعان .

* * *

أما عن الأمر الثالث فهو خاص ببيان حال عبد الله بن عمر العمرى .

فقد قال ابن عبد الهادى ما نصه :

وقد تكلم فى عبد الله العمرى جماعة من أئمة الجرح والتعديل

ونسبوه إلى سوء الحفظ والمخالفة للثقات فى الروايات . قال أبو حاتم محمد بن حبان البستى فى كتاب « المجروحين من المحدثين » : عبد الله ابن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العمرى أخو عبيد الله بن عمر من أهل المدينة يروى عن نافع روى عنه العراقيون وأهل المدينة كان ممن غلب عليه الصلاح والعبادة حتى غفل عن حفظ الأخبار وجودة الحفظ للآثار فوقع المناكيرُ فى روايته فلمَّا فَحُشَ خطؤه استحق الترك . ومات سنة ثلاث وسبعين ومائة .

حدثنا الهَمدانى ، حدثنا عمرو بنُ علىّ قال : كان يحيى بن سعيد لا يحدث عن عبد الله بن عمر ، قال أبو حاتم : وهو الذى روى عن نافع عن عمر (**أن النبى ﷺ كان إذا توضأ خلل لحيته**) ، وروى عن نافع عن ابن عمر أن النبى ﷺ قال : « **من أتى عرافاً فسأله لم تُقْبل له صلاةُ أربعين يوماً** » ، وروى عن نافع عن ابن عمر أن النبى ﷺ « **أسهم للفارس سهمين وللراجل سهماً** » فيما يشبه هذا من المقلوبات والملزوقات التى يُنكرها من أمعن فى العلم وطلبه من مظانه ، وقال أبو عيسى الترمذى فى جامعه : وعبد الله بن عمر ضعفه يحيى ابن سعيد من قبل حفظه ، وقال البخارى فى تاريخه : عبد الله بن عمر بن حفص العمرى المدنى قرشى كان يحيى بن سعيد يضعفه ، وقال النسائى فى كتاب « الكنى » : أبو عبد الرحمن عبد الله بن عمر ابن حفص بن عاصم بن عمر ضعيف ، وقال العقيلى : حدثنا عبد الله ابن أحمد بن حنبل قال : سألت يحيى بن معين عن عبد الله بن عمر العمرى فقال : ضعيف ، حدثنا عبد الله ، قال : سألت أبى عن عبد الله بن عمر فقال : كذا وكذا ، وقال أبو زرعة الدمشقى : قيل لأحمد بن حنبل : كيف حديث عبد الله بن عمر ؟ فقال : كان

Marfat.com

يزيد فى الأسانيد ويخالف وكان رجلاً صالحاً ، وقد ذكر العقيلى هذا القول عن الإمام أحمد بن حنبل من رواية أبى بكر الأثرم عنه ، وروى إسحق بن منصور عن يحيى بن معين قال عبد الله بن عمر : صويلح ، وقال عبد الله بن علىّ بن المدينى عن أبيه : ضعيف ، وقال أبو حاتم الرازى : يكتب حديثه ولا يحتج به ، وقال يعقوب ابن شيبة : صدوق فى حديثه اضطراب ، وقال صالح بن محمد البغدادى : لين مختلط الحديث ، وقال الحاكم أبو أحمد : ليس بالقوى عندهم . انتهى من الصارم المنكى (ص ٣٦ - ٣٨) .

قلت : أسرف ابن عبد الهادى - رحمه الله تعالى - بذكر الجرح وقنع بالقليل من التعديل .

فالذى يقف على ما ذكره ابن عبد الهادى يجزم بضعف الرجل ، أما الواقع ونفس الأمر فشىء آخر ، وعلى ذلك يجب الالتفات لأمور أذكرها فى فصول بعون الله تعالى .

* * *

فصل

الأول : صدَّر كلامه بنقل جرح ابن حبان من « المجروحين » (٦/٢) .

وتعنتُ ابن حبان ومبالغته فى الجرح استفاضت واشتهرت .

وقد نصَّ على تعنته ومبالغته جمع من الحفاظ منهم الذهبى ، وابن حجر .

فقال الذهبى فى « الميزان » (١/ ٢٧٤) فى ترجمة أفلح بن سعيد

Marfat.com
Marfat.com

المدنى بعد حكاية قول ابن حبان : يروى عن الثقات الموضوعات لا يحل الاحتجاج به ولا الرواية عنه بحال ، قال الذهبى ما نصه :

ابن حبان ربما قصب الثقة حتى كأنه لا يدرى ما يخرج من رأسه . ا هـ

وقال فى ترجمة محمد بن الفضل السدوسى المعروف بعارم (٤/ ٨) :

قال الدارقطنى : تغير بأخرة.وما ظهر له بعد اختلاطه حديث منكر وهو ثقة (أى عارم) قلت (أى الذهبى): فهذا قول حافظ العصر الذى لم يأت بعد النسائى مثله ، فأين هذا القول من قول ابن حبان الخساف المتهور فى عارم ، فقال : اختلط فى آخر عمره وتغير حتى كان لا يدرى ما يحدث به فوقع فى حديثه المناكير الكثيرة فيجب التنكب عن حديثه فيما رواه المتأخرون ، فإذا لم يعلم هذا من هذا ترك الكل ولا يحتج بشىء منها . ا هـ

وقال فى ترجمة أيوب بن عبد السلام (١/ ٢٩٠) : **ابن حبان صاحب تشنيع وتشغيب** . ا هـ

وقال فى ترجمة سويد بن عمرو الكلبى بعد أن نقل توثيق ابن معين وغيره : وأما ابن حبان فأسرف واجترأ ، فقال : كان يقلب الأسانيد ويضع على الأسانيد الصحاح المتون الواهية . ا هـ (٢/ ٢٥٣) .

وقال فى ترجمة عثمان بن عبد الرحمن الطرائفى (٣/ ٤٥) :

وأما ابن حبان فإنه تقعقع كعادته فقال فيه : يروى عن قوم ضعاف أشياء يدلسها عن الثقات حتى إذا سمعها المستمع لم يشك فى وضعها فلما كثر ذلك فى أخباره أُلزقت به تلكَ الموضوعات وحَمل

الناسُ عليه فى الجرح فلا يجوز عندى الاحتجاج بروايته كلها بحال . ا هـ .

والحاصل أنَّ كلام ابن حبان فى هذا الباب لا يسلم له ، خاصة فى الرجال الموثقين . والله المستعان .

وقد بين ابن حبان مستنده فأتى بثلاثة أحاديث ادعى خطأ عبد الله العمرى فيها .

أما الحديث الأول ، فقال أبو حاتم بن حبان ، وهو الذى روى عن نافع عن ابن عمر أن النبى ﷺ كان إذا توضأ خلل لحيته . ا هـ .

قلت : إن كان للحديث علة فمن الراوى عن عبد الله العمرى .

قال الطبرانى فى المعجم الأوسط (١/ ٣٩ مجمع البحرين) : لم يروه عن العمرى إلا مؤمل بن إسماعيل . ا هـ ومؤمل ضعفه جمع وقال فيه البخارى : منكر الحديث .

فالأولى الحمل على مؤمل بن إسماعيل بل هو الواجب .

وأما الحديث الثانى ، فقال أبو حاتم بن حبان : وروى عن نافع عن ابن عمر أن النبى ﷺ قال : « من أتى عرافاً فسأله لم تقبل له صلاة أربعين يوماً » . ا هـ

أخرجه ابن وهب فى « الجامع » (ص ١١٤) ، سمعت عبد الله ابن عمر يحدث عن نافع عن ابن عمر به مرفوعاً .

قلت : أراد ابن حبان أن عبد الله خالف أخاه الذى رواه من حديث نافع عن صفية عن بعض أزواج النبى ﷺ به مرفوعاً .

رواه من هذا الوجه مسلم فى صحيحه (٤/ ١٧٥١) ، وأحمد فى المسند (٤/ ٦٨) ، وأبو نعيم فى الحلية (١٠/ ٤٠٧) ، وتاريخ أصبهان ، والبيهقى فى السنن الكبرى (٨/ ١٣٨) .

فابن حبان يرى أن الصوابَ عن نافع عن صفيةَ .

لكن أخرجه أبو نعيم فى « الحلية » (٨/ ٢٤٦) من حديث أبى إسحاق السبيعى عن سعيد بن وهب عن ابن عمر مرفوعاً نحوه .

قلت : أبو إسحاق السبيعى وسعيد بن وهب ثقتان معروفان ، وهذه المتابعة تظهر أنَّ الحديث صحيح من مسند عبد الله بن عمر رضى الله عنهما فلم يخطىء فيه عبد الله العمرى ، كما تظهر مدى التسرع فى تخطئة عبد الله العمرى .

أما الحديث الثالث ، فقال ابن حبان : وروى عن نافع عن ابن عمر أن النبى ﷺ « أسْهَمَ للفارسِ سهمينِ وللراجلِ سهماً » .

قلت : أراد ابن حبان أن عبد الله العمرى خالف أخاه عبيد الله الذى رواه باختلاف فى اللفظ عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنهما أن النبى ﷺ جعل للفرس سهمين ولصاحبه سهماً .

والإجابة على ذلك هى ما قاله الحافظ فى « الفتح » (٦/ ٦٨) قال :

المعنى أسهم للفارس بسبب فرسه غير سهمه المختص به . اهـ

وإن سُلِّم بخطأ عبد الله العمرى فى هذا الحديث فلا يضره بجانب ما روى ، والرجل مكثر ، وقد أخطأ فى حديث فكان ماذا ؟

فإن قيل : قد ذكر معنى الترك غير ابن حبان ، وهو ابن عمار الموصلى ، فقال كما فى التهذيب (٣٢٨/٥) : لم يتركه أحد إلا يحيى بن سعيد . اهـ .

قلت : قال عمرو بن علىّ الفلاس كان يحيى بن سعيد لا يحدث عنه . وهذا أو غيره لم يذكر مستند يحيى بن سعيد فى عدم الرواية عنه .

والحاذق يعلم أنَّ ابن عمار لم يقصد الترك بالمعنى الاصطلاحى ، ولكنه قصد الترك بمعنى عدم الرواية ، وبون شاسع بين المعنيين فلزم التنبيه .

ويوضحه ويقويه قول أبى عيسى الترمذى الحافظ (العلل مع شرحه ص ١٢) :

ذُكر عن يحيى بن سعيد أنه كان إذا رأى الرجل يحدث من حفظه مرة هكذا ، ومرة هكذا لا يثبت على رواية واحدة تركه ، وقد حدث عن هؤلاء الذين تركهم يحيى بن سعيد القطان عبد الله بن المبارك ووكيع بن الجراح وعبد الرحمن بن مهدى وغيرهم من الأئمة . اهـ

وهذا ابن عبد الهادى الذى شنع على عبد الله العمرى يقول عن أحد الرواة :

وكون يحيى بن سعيد كان لا يرضاه غير قادح فيه ، فإن يحيى شَرْطُه شديدٌ فى الرجال ، ولذلك قال : لو لم أرو إلا عمَّن أرضى ما رويت إلا عن خمسة . اهـ .

وكونه لا يرضاه أى لا يرضى الرواية عنه ، فهو كعبد الله العمرى فتأمل .

وقد قال الحافظ فى « مقدمة الفتح » (ص ٤٠٢) فى ترجمة الزبير البصرى :

وحكى الباجى فى رجال البخارى عن علىّ بن المدينى أنه قال : تركه شعبة ، قلت : والذى رأيته عن علىّ أنه قال لم يروِ عنه شعبة ، وبين اللفظين فرقان . اهـ

وترك الرواية قد يكون لشبهة لا توجب الجرح .

ومما يدلك على أن قول ابن حبان فى العمرى غير معمول به ، ولم يُلتفت إليه أنّ المحدثين انقسموا فى العمرى لقسمين منهم من قَبِل حديثه ، والثانى من ضعفه .

وهذا الأخير قبل حديثه فى باب المتابعات والشواهد ، والمعلوم والمقرر أن المتروك لا يُقْبل حديثه فى المتابعات والشواهد ، فعلم أن ضعفه عندهم من الضعف الخفيف الذى يزول بمجىء متابع له أو شاهد فيرتقى حديثه إلى الحسن لغيره . والله أعلم .

ويعضده أنّ الرجل قد أخرج له مسلم فى صحيحه مقروناً بأخيه عبيد الله .

فكيف يكون من أخرج له مسلم فى صحيحه - ولو مقروناً بغيره - حاله كما ذكر ابن حبان واعتمده ابن عبد الهادى ؟!! .

* * *

فصل

ثم نقل ابن عبد الهادى عن الإمام أحمد بن حنبل قوله كذا وكذا ، وقوله كان يزيد فى الأسانيد ويخالف ، وكان رجلاً صالحاً .

قلت : أما عن الأولى فلك فى النظر إليها وجهان :

الأول : قال الذهبى فى الميزان (٤/ ٤٨٣) فى ترجمة يونس بن أبى إسحاق السبيعى هذه العبارة - أى قول أحمد كذا وكذا - يستعملها عبد الله بن أحمد كثيراً فيما يجيبه به والده ، وهى بالاستقراء كناية عمن فيه لين . ا هـ

واللين أقل الضعف .

ولكن لم يذكر ابن عبد الهادى سامحه الله ما يدل على توثيق أحمد لعبد الله بن عمر العمرى، حيث قال (الجرح : ٥/١٠٩ - ١١٠):

« صالح لا بأس به قد روى عنه الناس ». ا هـ

الوجه الثانى : قال ابن عدى فى « الكامل » (٤/ ١٤٦٠) :

ثنا ابن حماد ، ثنا عبد الله بن أحمد عن أبيه قال عبد الله بن عمر ابن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب ، وهو أخو عبيد الله بن عمر كذا وكذا ، ثنا ابن أبى عصمة ، ثنا أبو طالب سألت أحمد بن حنبل عن عبد الله بن عمر العمرى قال :

« صالح قد روى عنه لا بأس به ، ولكن ليس مثل أخيه عبيد الله ». ا هـ

قلت : المدقق فى أقوال الإمام أحمد رحمه الله تعالى يجد أن كلامه هو توثيق نسبى أو تليين نسبى لايراد به المعنى المتعين من اللفظ الثانى فإنه نزل به بالنسبة لأخيه عبيد الله الثقة الحافظ المتفق عليه .

وقد نبه الحافظ السخاوى علي الجرح والتعديل النسبى فقال (فتح المغيث : ١/ ٣٤٨) :

ينبغى أن نتأمل أقوال المزكين ومخارجها ، فقد يقولون : فلان ثقة أو ضعيف ، ولا يريدون به أنه ممن يحتج بحديثه ولا ممن يرد ، وإنما ذلك بالنسبة لمن قرن معه على وفق ما وجه إلى القائل من السؤال كان يُسأل عن الفاضل المتوسط فى حديثه ويقرن بالضعفاء ، فيقال ما تقول فى فلان وفلان ؟ فيقول : فلان ثقة يريد أنه ليس من نمط من قُرن به ، فإذا سُئل عنه بمفرده بين حاله فى المتوسط . وأمثلة ذلك كثيرة لا نطيل بها . اهـ .

ومنه يعلم أن تليين أحمد للعمرى - فى رواية عبد الله - بالنسبة لأخيه عبيد الله الحافظ الثقة .

ويؤيد ذلك ما سيأتى عن ابن عدى إن شاء الله تعالى .

* * *

فصل

ونقل ابن عبد الهادى عن يحيى بن معين قولين :

الأول : تضعيفه ، والثانى : قوله صويلح ، **فلم يستوف ما قاله ابن معين فى الرجل** .

فقد روى ابن أبى مريم عن يحيى بن معين أنه قال : **ليس به بأس يكتب حديثه** . اهـ .

ومن المعلوم أن قول ابن معين فى الرجل ليس به بأس معناه أنه ثقة .

وقال عثمان بن سعيد الدارمى : **قلت لابن معين كيف حاله فى نافع ؟ قال : صالح ثقة** (الكامل : ٤/ ١٤٥٩) .

فالأول : توثيق مطلق من ابن معين للعمرى ، والثانى : توثيقه له فى خصوص روايته عن نافع كما فى حديثنا هذا ، وهو نص من إمام الجرح والتعديل قاطع للنزاع .

والدارمى الذى روى عنه هذا النص من أخص وأشهر أصحاب ابن معين والله المستعان .

ومما سبق يعلم أن الراجح من أقوال الإمام أحمد وإمام الجرح والتعديل يحيى بن معين هو قبول حديث عبد الله العمرى واعتماده ما لم يخالف ، شأنه فى ذلك شأن جمهرة الثقات . والله أعلم .

* * *

فصل

وإذا تبين للقارىء الكريم حقيقة أقوال يحيى بن معين وأحمد وابن حبان فى العمرى فليعلم المستفيد أن الرجل قد وثقه جمع من الأئمة ، واعتمده عدد من حفاظ الأمة وهذا معروف ومسطور فى كتب الجرح والتعديل .

ولكن الغريب ألا يذكره ابن عبد الهادى ولله فى خلقه شئون . . !

فممن وثق العمرى مما لم يذكره ابن عبد الهادى فى الصارم : الإمام العلم أحمد بن صالح المصرى (ثقات ابن شاهين ص ١٥١)

وقال أبو حاتم الرازي (الجرح : ٥/ ١١) : رأيت أحمد بن صالح [١] يحسن الثناء على عبد الله العمرى .

---

(١) وقع فى التهذيب (٥/ ٣٢٧) أحمد بن حنبل وهو خطأ ، والصواب ما فى الجرح والتعديل .

Marfat.com

وقال العجلى : ٢٦٠ لا بأس به (الثقات ص ٢٣٩) .

ووثقه ابن شاهين بإيراده له فى ثقاته (ص ١٥١) .

وقال الخليلى : ثقة غير أن الحفاظ لم يرضوا حفظه . ا هـ ، وقوله الحفاظ لم يرضوا حفظه أى سعة محفوظه ، انظر نظير ذلك فى مقدمة الفتح (ص ٤٢٠) .

ولعلهم لم يرضوا حفظه بالنسبة لحفظ أخيه عبيد الله العمرى ، فإنَّ كثيراً من أقوالهم فيه ترجع للمقارنة مع أخيه ، كما سيأتى تصريح ابن عدى بذلك ، والمقصود بيان أن الرجل ثقة عند أبى يعلى الخليلى .

وكان عبد الرحمن بن مهدى يحدث عنه .

وحَسَّن له أبو يعلى الموصلى .

وحَسَّن له أيضاً يعقوبُ بنُ شيبة وقال (تاريخ بغداد : ١٠/ ٢٠) : ثقة صدوق فى حديثه اضطراب . ا هـ .

وهو يعنى أن الاضطراب الذى فى حديثه لا يخرجه عن حد الثقة الصدوق .

وقد صحح له ابن السكن ، وهو يعنى توثيقه ، وحسن له الترمذى (تحفة ٩ / ٣٩١ - ٣٩٢) فى باب مايقول إذا رأى مبتلى ، وفى أبواب الحج (تحفة ٣/ ٥٩٠) [1] فى باب دخول مكة نهاراً .

وجوز البخارى تصحيح حديثه كما تشير عبارته فى جزء رفع اليدين (ص٢٥) ، وذكره فى صحيحه فى كتاب العلم باب المناوله (الفتح

(١) ووهم المباركفورى رحمه الله تعالى فى تحفة الأحوذى (٣/ ٥٩٠) فذكر أنه عبيد الله بن عمر فوهم والصواب أنه عبد الله العمرى وانظر تحفة الأشراف (٦/ ١٠٧) .

١/ ١٥٤) فجزم الكرمانى أنه العمرى ، ومال إليه البدر العينى (١/ ٤٠٧) وخالفهما الحافظ (الفتح ١/ ١٥٤) ، وحسن له ابن كثير فى التفسير فى أوائل سورة القصص ، وحسنٌ له المنذرى فى الترغيب لكن لاتحضرنى الآن أماكنه.

وقال ابن عدي فى « الكامل » (٥/ ١٨٦٩) : وثقه الناس اهـ

وهو يعنى قبول الناس لحديثه .

وقال فى « الكامل » أيضاً (٤/ ١٤٦١) : **ولعبد الله بن عمر حديث صالح وأروى من رأيت عنه ابن وهب ووكيع وغيرهما من ثقات المسلمين وهو لا بأس فى رواياته ، وإنما قالوا فيه لا يلحق أخاه عبيد الله ، وإلا فهو فى نفسه صدوق لا بأس به** . ا هـ

وهذا الذى ذكره ابن عدى هو أعدل الأقوال فى عبد الله العمرى .

فالرجل وإن تكلم فيه فحديثه حسن إلا إذا تبين مخالفته شأنه شأن من يحسن حديثهم ، ومن قارن ترجمته بترجمة من يحسن الأئمة حديثهم كمحمد بن إسحاق وعبد الله بن محمد بن عقيل لا ينفك إلا عن تحسين حديث الرجل وهو ما ذهب إليه الحافظ الذهبى ، فقال فى المغنى (١/ ٣٤٨) : صدوق حسن الحديث . ا هـ

واقتصر على عبارات التوثيق الواردة فيه فى كتابيه « الكاشف » (٢/ ٩٩) ، و« الديوان » (ص ١٧٣) ، وأدخله فى كتابه من تكلم فيه وهو موثق (ص ١١٢) .

وقال الحافظ السخاوى فى « التحفة اللطيفة » (٣/ ٣٦٦) : كان صالحاً عالماً خيراً صالح الحديث .. ا هـ

* * *

فصل

وإذا سلمنا بتضعيف عبد الله العمرى .

فقد قال عثمان بن سعيد : قلت ليحيى بن معين : عبد الله العمرى ما حاله فى نافع ؟ قال : صالح ثقة . اهـ . كذا فى « الكامل » (٤/١٤٥٩) .

قلت : والرجل يروى هنا عن نافع .

فهذا نص قاطع للنزاع من إمام الجرح والتعديل والله المستعان .

تنبيه :

حمل ابن عبد الهادى رحمه الله تعالى فى الصارم المنكى على عبد الله العمرى ورفع راية تضعيفه ، فإن تعجب فلك ذلك إذا وقفت على تقويته لعبد الله العمرى فى التنقيح ورده على من ضعفه واحتجاجه بحديثه فى « الأحكام » .

فلما ضعفه المخالفُ عبدَ الله بن عمر العمرى قال ابن عبد الهادي (١/١٢٢) :

وأما عبد الله بن عمر فقد قال يحيى فى رواية : ليس به بأس . اهـ وهى تعنى توثيقه .

ثم لك أن تعجب ثانية إذا علمت أن هذه الرواية التى تفيد توثيق ابن معين للعمرى لم يذكرها ابن عبد الهادى نصاً أو حتى إشارة فى الصارم المنكى . ! ونسأل الله العافية

وحاصل ما تقدم أن حديث الزيارة « من زار قبرى وجبت له

شفاعتى » لحديث حسن ولا بد ، وهذا ما تقتضيه قواعد الحديث ، أما من كابر فلا كلام لنا معه وهو غير مقصود بالذات من هذا الكلام ، والحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات .

١٨ - حديث : « **مَنْ زَارَنى فى مَمَاتى كَانَ كَمَنْ زَارَنى فى حياتى ، وَمَنْ زَارَنِى حتى ينتهى إلى قبرى كنت له شَهِيداً يومَ القيامَة** » .

أخرجه العقيلى فى « الضعفاء » (٣/ ٤٥٧) حدثنا سعيد بن محمد الحضرمى ثنا فضالة بن سعيد بن زميل المأربى ، حدثنا محمد بن يحيى المأربى عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس به مرفوعاً .

ورواه تقى الدين السبكى فى « شفاء السقام » (ص ٣٨) بسنده إلى ابن عساكر الذى أخرجه من طريق العقيلى المذكور ولفظه :

« من رآنى فى المنام كانَ كَمَنْ رآنى فى حياتى .... » الحديث .

والصواب ما فى ضعفاء العقيلى ، وإنْ كانت رواية ابن عساكر هى صواب أيضاً ، فلا ضير فى ذلك ، فإن لفظ الزيارة ثابت فى كلا الزوايتين فى آخر الحديث .

وأُعل هذا الحديث بفضالة بن سعيد بن زميل المأربى وشيخه محمد ابن يحيى بن قيس المأربى .

أما فضالة بن سعيد بن زميل المأربى فقال العقيلى فى « الضعفاء » (٣/ ٤٥٧) : حديثه غير محفوظ ، ولا يعرف إلا به ، ثم قال بعد أن ذكر الحديث محل البحث بإسناده : « وهذا يروى بغير هذا الإسناد من طريق أيضاً فيه لين » . ا هـ

فدل كلام العقيلى على أمور :

الأول : أن حديث فضالة بن سعيد المأربى غير محفوظ .

الثانى : أنه فرد .

الثالث : أنّ هذا الإسناد فيه لين .

والأمر الثالث هو خلاصة نظر العقيلى فى هذا الإسناد إنه فيه لين . واللين هو أقل الضعف ..

وإن تعجب فعجب من الحافظ الذهبى - رحمه الله تعالى - ففى ترجمته لفضالة بن سعيد بن زميل المأربى ذكر الحديث موضع البحث ثم قال (٣/ ٣٤٩) : هذا موضوع على ابن جريج . اهـ

ولا يوجد فى الإسناد أو المتن ما يساعده على دعواه .

فهى دعوى لا برهان عليها ، ولا ذكر الذهبى دليلاً يشهد لها وكلام العقيلى هنا أقوى وأقعد .

* * *

فصل

وأما محمد بن يحيى بن قيس المأربى فقد وثقه الدارقطنى فى سؤالات البرقانى (٤٦٤) وابن حبان (٩/ ٤٥) وذكره ابن أبى حاتم فى « الجرح والتعديل » برواية جمع عنه ، ولم يذكر فيه جرحاً ولا تعديلاً (٨/ ١٢٣) .

وقال ابن حزم : مجهول .

فقبول توثيق الدارقطنى وابن حبان هو الموافق لقواعد الحديث ومن علم حجة على من لم يعلم .

فإن قيل قد قال ابنُ عدى فى « الكامل » (٦/ ٢٢٣٩) : أحاديثه مظلمةٌ منكرةٌ . ا هـ .

قلت : هذا سرف من ابن عدى رحمه الله تعالى .

وقد ذكر حديثين له فى ترجمته ، أولهما : فى مدح وذم بعض المدن والحمل فيه على من رواه عنه وهو خطاب بن عمر الهمدانى ، وقد قال الذهبى فى ترجمته من « الميزان » : مجهول وخبره فى فضل البلدان كذب . ا هـ

وأصاب العقيلى بذكره هذا الحديث الموضوع فى ترجمة خطاب بن عمر الهمدانى (٢/ ٢٥)

والحديث الآخر الذى ذكره ابن عدى فى ترجمة محمد بن يحيى المأربى حديث فى الاستقطاع أخرجه أصحاب السنن وغيرهم ، وصححه ابن حبان (١٠/ ٣٥١) ، والخطب فى مثل ذلك سهل لا يستحق معه أن يقال فى حق الرجل : أحاديثه مظلمة منكرة . وأين هى الأحاديث الكثيرة التى تستحق هذا الوصف . . ؟!! .

وقال الذهبى فى « الكاشف » (٣/ ٩٥) : وثق .

وهى تقضى على تردده المذكور فى ترجمة محمد بن يحيى المأربى فى « الميزان » (٤/ ٦٢) .

وخلاصة ما قيل فى محمد بن يحيى المأربى هو قول الحافظ فى التقريب (ص ٥١٣) : لين الحديث . والترمذى : يحسن لمن قيل فيه مثل ذلك .

★ تنبيه :

أما ابن عبد الهادى فإنَّه ما أصاب فى كلامه عن محمد بن يحيى المأربى وتشدد وبعد عن الإنصاف ، فذكر أن الرجل مختلف فيه .

ثم أراد أن يقوى رجحان جرحه وتضعيفه ، فذكر كلام ابن عدى وأيده بالحديث الموضوع فى مدح وذم بعض المدن وتقدم أن الحمل فيه على خطاب بن عمر الهمدانى المجهول ، فلم يكفه أنَّه لم يصرح بتوثيق الدارقطنى للمأربى فى سؤالات البرقانى (٤٦٤) بل زاد أن ألصق به حديثاً موضوعاً نسأل الله تعالى السلامة والصون .

بقى الكلام على ما قد يظن بعضهم أنَّه علةٌ ثالثة فى هذا الإسناد ، وهى أنَّ ابنَ جريج وهو عبد الملك ابن عبد العزيز بن جريج مدلس ولم يصرح بالسماع .

والجواب على ذلك : أن هذا يرويه ابن جريج عن عطاء وروايته عنه محمولة على السماع صرح أو لم يصرح ، فإنَّ ابن جريج قال : إذا قلت : قال عطاء : فأنا سمعته منه ، وإن لم أقل سمعت . (التهذيب ٤٠٦/٦) .

فالحاصل مما تقدم أن هذا الإسناد فيه راوٍ غاية ما فيه أنه مجهول وتفرد بهذا الحديث ، وآخر اختلف فيه وثقه الدارقطنى وصحح له ابن حبان ووثقه وأخرج له أصحاب السنن النسائى وأبو داود والترمذى، وقال عنه الحافظ : لين الحديث . وقال الذهبى : وثق .

فإذا كان الأمر كذلك فهذا الإسناد ضعيف فقط بسبب فضالة بن سعيد بن زميل المأربى فقط ويمكن أن ينجبر بغيره بل يمكن أن يكون مشبه بالحسن على رأى جماعة من الحفاظ ، وهو وحده يقضى على قولهم المتهافت : أحاديث الزيارة كلها ضعيفة بل موضوعة . فكيف ولهذا الحديث نظائر أقوى منه ، نسأل الله تعالى الإنصاف فى الغضب والرضا . والله تعالى أعلم بالصواب .

١٩ - حديث : « من زارنى بالمدينة محتسباً كنت له شفيعاً وشهيداً يوم القيامة » .

أخرجه البيهقى فى شعب الإيمان (٣/ ٤٨٨) ، وحمزة بن يوسف السهمى فى تاريخ جرجان (ص ٤٣٤) ومن طريقه السبكى فى شفاء السقام (ص ٣٥) ، وابن أبى الدنيا فى كتاب « القبور » كلهم من طريق محمد بن إسماعيل بن أبى فديك عن سليمان بن يزيد الكعبى أبى المثنى عن أنس بن مالك أن رسول الله ﷺ قال :

« من زارنى بالمدينة محتسباً كنت له شفيعاً وشهيداً يوم القيامة » .

قلت : محمد بن إسماعيل بن أبى فديك ثقة احتج به الجماعة .

لكن أبا المثنى سليمان بن يزيد الكعبى قال عنه أبو حاتم : منكر الحديث ليس بقوى . وضعفه الدارقطنى ، وقال ابن حبان فى « المجروحين » :

يخالف الثقات فى الروايات ، لا يجوز الاحتجاج به ولا الرواية عنه إلا للاعتبار . لكنه ذكره فى « الثقات » (٦/ ٣٩٥) ، وحسَّن له الترمذى .

ومقتضى ذلك أن يكون « صدوق الحديث » عند الترمذى ، قال الحافظ فى « تعجيل المنفعة » (ص ١٥٣) :

قول الترمذى حسن غريب هذا يقتضى أن الراوى عنده صدوق معروف . اهـ

وصحح له الحاكم (٤/ ٢٢١ - ٢٢٢) وهو يعنى أن الرجل ثقة عنده .

فإن أعرضت عن تحسين الترمذى وتصحيح الحاكم له وتوثيق ابن حبان ، فالرجل ضعفه من النوع الخفيف الذى يزول بمجىء متابع أو شاهد له ، لذلك اقتصر الحافظ على تضعيفه فى « التقريب » (ص ٦٧٠).

وأجاد الحافظ الذهبى فقال فى « الكاشف » (٣/ ٣٣١) : « وثق ، وقال أبو حاتم ليس بقوى ». اهـ

وتبقى علة أخرى فى هذا السند وهى الانقطاع بين سليمان بن يزيد وأنس بن مالك ، فإن سليمان بن يزيد من أتباع التابعين .

★ وله طريق آخر عن أنس :

قال إسحاق بن راهويه فى مسنده : أخبرنا عيسى بن يونس ، ثنا ثور بن يزيد ، حدثنى شيخ عن أنس عن النبى ﷺ . (المداوى : ٦/ ٢٣٢) .

قلت : عيسى بن يونس هو ابن أبى إسحاق السبيعى ، ثقة .

وثور بن يزيد ثقة ثبت .

فلولا الشيخ المبهم الذى لم يسم لكان السند فى أعلى درجات الصحة .

لكن هذا الطريق إذا ضم لسابقه استفاد الحديث قوةً فإن قال قائل : إنه مُشْبَه بالحسن يكون قد أصاب ، وكم احتج الأئمة الفقهاء بأقل من هذا وبمثله فى الأحكام ، بل هذا بمفرده يثبت مشروعية الزيارة . وابن عبد الهادى لم يذكر الطريق الثانى عن أنس ، وكأنه لم يقف عليه ، ولذا كان كلامه مقصوراً على الطريق الأول فقط .

ولو وقف عليه ابن عبد الهادى لشنع عليه وصب تشنيعه على الراوى المبهم كما هى طريقته لأنه يأبى أن يصح حديث فى الباب. والله المستعان .

٢٠ - حديث : « من أتى المدينةَ زائراً لى وجبتْ لَهُ شَفَاعَتى يومَ القيامةِ ، وَمَنْ مَاتَ فى أحدِ الحرَمينِ بُعِثَ آمناً » .

أخرجه يحيى بن الحسن بن جعفر فى أخبار المدينة كما فى « شفاء السقام » (ص ٤٠) .

ثنا محمد بن يعقوب ، ثنا عبد الله بن وهب ، عن رجل عن بكر ابن عبد الله عن النبى ﷺ قال : « من أتى المدينة زائراً لى وجبت له شفاعتى يوم القيامة ، ومن مات فى أحد الحرمين بُعث آمناً » .

محمد بن يعقوب هو الأسدى الزبيرى المدنى أبو عمر .

قال عنه أبو حاتم والنسائى : لا بأس به ، وذكره ابن حبان فى الثقات ، وقال : مستقيم الحديث (التهذيب : ٩/ ٥٣٣) .

وقال الحافظ فى التقريب (ص ٥١٤) : صدوق .

وعبد الله بن وهب هو الثقة الحافظ الفقيه .

Marfat.com

أما بكر بن عبد الله فالذى يظهر لى أنَّه المزنى البصرى فهو تابعى ثقة ثبت جليل كما فى « التقريب » (ص ١٢٧) ، فعلى هذا فالحديث مرسل ، ولولا الرجل المبهم لكان صحيح الإسناد .

واحتمل السيد السمهودى فى « وفاء الوفا » (١٣٤٨/٤) أن بكر ابن عبد الله هو المزنى المذكور أو هو بكر بن عبد الله بن الربيع الأنصارى الصحابى المترجم له فى الإصابة (١/ ١٦٤) .

ووقع فى « الصارم المنكى » (ص ٣٤٣) بكير بن عبد الله بالياء ، وهو تصحيف من الناسخ ، وإن لم يكن تصحيفاً – وهو بعيد – فإنَّ عبد الله بن وهب يروى فى جامعه عن بكير بن عبد الله الأشج المدنى ثم المصرى بواسطة واحدة ، وبكير بن عبد الله الأشج من تابعى التابعين . والأرجح فيما سبق – والله أعلم – أن بكر بن عبد الله هو المزنى .

ومع الاحتمالات الثلاثة المذكورة ، فالحديث ضعيف الإسناد فقط .

فمن مجانبة قواعد الحديث قول ابن عبد الهادى فى الصارم (ص ٢٤٣) : وهو حديث باطل لا أصل له ، وخبر معضل لا يعتمد على مثله وهو من أضعف المراسيل وأوهى المنقطعات . اهـ

قلت : تزيَّد الرجل جداً وبالغ وتعنت وتشدد .

فإسناد الحديث ليس فيه إلا الرجل المبهم ، وإمامه أحمد بن حنبل وغيره من أئمة الفقه والحديث يحتجون بالمرسل .

ولم يذكر ابن عبد الهادى دليل مقولته لأن قواعد الحديث لا توافقه .

Marfat.com

ومن تعصب الألبانى قوله فى رده على الشيخ محمد سعيد رمضان البوطى (ص ١٠٩) :

« وهذا باطل كما قال ابن عبد الهادى » . اهـ

فعمدته قول ابن عبد الهادى الذى ما استطاع أن يقيم صلب دعوته المتهاوية ، ثم جاء الألبانى يردد الصدى لاغير ، وهذا هو التقليد المذموم فأين البحث منه أو ممن قلده هنا ؟!

والمتتبع يجد أن المحدثين لا يزيدون فى مثل هذا على قولهم : مرسل ضعيف الإسناد ، ومثله ينجبر بغيره ، نسأل الله تعالى السلامة والصونَ .

٢١ - حديث : « مَنْ زَارَنى بَعدَ مَوْتى فكأنما زارنى فِى حَيَاتِى ، وَمَنْ مَاتَ بِأحدِ الحرمينِ بُعِثَ مِنَ الآمنين يومَ القِيَامَةِ » .

أخرجه الدارقطنى فى سننه (٢ / ٢٧٨) ، حدثنا أبو عبيد والقاضى أبو عبد الله وابن مخلد قالوا : أنا محمد بن الوليد البسرى ، نا وكيع ، نا خالد بن أبى خالد وأبو عون عن الشعبى والأسود بن ميمون عن هارون أبى قزعة عن رجل من آل حاطب عن حاطب قال : قال رسول الله ﷺ :

« من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى فى حياتى ، ومن مات بأحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة » .

وأخرجه من هذا الوجه البيهقى فى « شعب الإيمان » (٣/ ٤٨٨)

Marfat.com

والمحاملى والساجى كما فى الميزان ، وعلقه ابن عبد البر فى الاستذكار .

ورواه البخارى فى تاريخه فقال :

ميمون بن سوار العبدى عن هارون أبى قزعة عن رجل من ولد حاطب عن رسول الله ﷺ : « من مات فى أحد الحرمين . . . » .

قلت وبالله استعنت : خالد بن أبى خالد هو خالد بن طهمان ، فإنه يروى عن طبقة الشعبى وهو كوفى مثله ، ويروى عنه وكيع وليس هو خالد بن أبى خلدة كما ادعى ابن عبد الهادى فى « الصارم المنكى » (ص ١٥١) ، وخالد بن طهمان صدوق وكان قد اختلط ، لكن تابعه ابن عون ، ويقال أبو عون وهو هو فإنَّه عبد الله بن عون البصرى وكنيته أبو عون وهو ثقة ثبت ، فصح بذلك السند إلى عامر بن شراحيل الشعبى بل إلى هارون بن أبى قزعة لأن الشعبى حافظ ثقة لايسئل عن مثله .

وأغرب ابن عبد الهادى وتشدد جداً وهوَّل فقال :

وأما ما وقع من الزيادة فى الإسناد عن وكيع عن خالد بن أبى خالد وأبى عون أو ابن عون عن الشعبى أو بإسقاط الشعبى (١) ، فإنها زيادة منكرة غير محفوظة ، وليس للشعبى مدخل فى إسناد هذا الحديث . . . ثم قال : والحاصل أن ذكر هذه الزيادة المظلمة فى الإسناد لم تزد الحديث فقط بل لم تزده إلا ضعفاً واضطراباً (الصارم المنكى ص ١٥١) .

---

(١) رجح السبكى فى « شفاء السقام » رواية : إثبات الشعبى وهو الصواب (ص ٣٣) .

قلت : هذه الزيادة مسلسلة بالثقات كما تقدم وكيع بن الجراح وخالد بن طهمان ومتابعه عبد الله بن عون البصرى ، ثم عامر الشعبى ثقات لا ينظر فى حالهم ما خلا ابن طهمان وهو صدوق وقد توبع .

ونسأل الله تعالى الإنصاف فى الرضا والغضب .

إذا علم ذلك فإنَّ الكلام فى هذا الإسناد انحصر فى هارون بن أبى قزعة وشيخه المبهم .

أما هارون بن أبى قزعة فقد قيل هارون أبو قزعة ، وقيل ابن قزعة وهذا لا يضر .

قال الحافظ فى « النكت على ابن الصلاح (٢/ ٧٧٣) » : « واختلاف الرواة فى اسم رجل لا يؤثر ذلك ، لأنَّه إن كان ذلك الرجل ثقةً فلا ضَير ، وإن كان غيرَ ثقةٍ فضعف الحديث إنما هو من قبل ضعفه لا من قبل اختلاف الثقات فى اسمه » . اهـ فتأمل ذلك .

والرجل قد ضعفه يعقوب بن شيبة ، وذكره العُقيلي والساجى وابن الجارود فى الضعفاء ، لكن ذكره ابن حبان فى الثقات (٧/ ٥٨٠) .

ويروى عنه عامر الشعبى فيكون هارون بن أبى قزعة ثقة عنده .

قال يحيى بن معين فى « الشعبى » : إذا حدث عن رجل فسماه فهو ثقة ويحتج به (التهذيب : ٥/ ٦٧) ، فرواية الشعبى عن هارون ابن أبى قزعة توثيق له ، كما قال ابن معين لأنه سماه . لكنه توثيق أقل من النص على ذلك صراحة ، فهو توثيق ضمنى أو إجمالى .

فمع توثيق ابن حبان ورواية الشعبى المتوثقة لهارون بن أبى قزعة ، فالرجل ممن يعتبر بحديثه ويستشهد به .

وتبقى علة واحدة فى هذا الإسناد وهى شيخ هارون بن أبى قزعة المبهم .

وليكن الضعف فى هذا الحديث غير شديد بل ضعفه قريب ويحتج الفقهاء بمثله فى إثبات مشروعية أمر ما ودونك كتب الفقه لتتحقق من صحة مقولتى ، فكيف ولأحاديث الزيارة طرق بعضها من شرط الحسن ، فإذا وقفت بعد على قولهم : أحاديث الزيارة ضعيفة بل موضوعة فاضرب به عرض الحائط لأنه مخالف للقواعد .

وقد قال الحافظ الذهبى : أجودها (أى أحاديث الزيارة) إسناداً حديث حاطب ، وأقره السخاوى فى « المقاصد الحسنة » (ص ٤١٣) ، والسيوطى فى « الدرر المنتثرة » (ص ١٧٣) فهؤلاء ثلاثة من الحفاظ اتفقوا على مقولة تدحض المخالف ، فماذا بعد الهدى . . .

بقى التنبيه على أن ابن تيميه قد حكم على هذا الحديث بالكذب ، فقال فى كتابه « التوسل والوسيلة ص ٧٤ » : هذا كذب ظاهر مخالف لدين المسلمين ، فإن من زاره فى حياته وكان مؤمناً به كان من أصحابه لا سيما إن كان من المهاجرين إليه المجاهدين معه ، وقد ثبت عن صلى الله عليه وسلم أنه قال : « لا تسبوا أصحابى فوالذى نفسى بيده لو أنفق أحدكم مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه » . أخرجاه فى الصحيحين ، والواحد من بعد الصحابة لا يكون مثل الصحابة بأعمال مأمور بها واجبة كالحج والجهاد والصلوات الخمس والصلاة عليه ، فكيف بعمل ليس بواجب باتفاق المسلمين . ا هـ (ص ٧٤) .

وقلده الألبانى فحكم على هذا الحديث بالبطلان فما أصابا .

وجواب هذا الإشكال سهل :

١ - هذا تشبيه ولا يلزم من التشبيه المساواة بين طرفى التشبيه ، فقد يكون أحدهما أفضل من الآخر ، فيكون من باب إلحاق فاضل بأفضل منه كقولك الرملى كالشافعى وأبو يوسف كأبى حنيفة وزيد كالبدر ومدرسة كالأزهر ونحو ذلك الوجه .

٢ - الجامع بين طرفى التشبيه هو الحياة ، فمن زاره صلى الله عليه وسلم بعد موته يشبه من زاره فى حياته باعتبار حياة النبى ﷺ فى قبره الشريف ، وحياة النبى ﷺ فى قبره تواترت بها الأخبار وأفردها عدد من الحفاظ منهم البيهقى والسيوطى ، وللحافظ أحمد بن الصدِّيق الغمارى رحمه الله تعالى خلاصة جامعة فى حياة الأنبياء تجدها فى خاتمة كتاب « الرد المحكم المتين على كتاب القول المبين » لشيخنا العلامة المحقق الجامع سيدى عبد الله بن الصديق رحمه الله تعالى ونور مرقده .

بيد أن الأمر لايخلو من توجيه نظر القارىء إلى أن هذا الإتفاق الذى ذكره ابن تيمية فيه نظر ، لأن زيارة سيدنا رسول الله ﷺ واجبة عند كثير من علماء المسلمين وهو قول الظاهرية ، وعليه كثير من المالكية وهو قول عند الحنفية .

٢٢ - حديث : « مَنْ زَارَ قبرى أو قَالَ مَنْ زَارَنى كُنت لَهُ شَفيعاً أوْ شَهيداً أو مَنْ مَاتَ فى أحد الحرمينِ بعثَهُ اللهُ منَ الآمنين يوم القيامَةَ » .

أخرجه أبو داود الطيالسى (منحة المعبود ١/ /٢٢٨) ، والبيهقى فى السنن الكبرى (٥/ ٢٤٥) ، وفى « شعب الإيمان » (٣/ ٤٨٨) .

حدثنا سوار بن ميمون أبو الجراح العبدى ، قال : حدثنى رجل من آل عمر عن عمر قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول :

« مَن زارَ قَبرى أو قَالَ من زَارَني كُنتُ لَهُ شَفِيعاً أو شَهيداً ، وَمَنْ مَاتَ في أحدِ الحرمينِ بعثَهُ اللهُ مِنَ الآمنِينَ يوم القيامةِ » .

Marfat.com

وأخرجه البيهقى فى شعب الإيمان (٣/ ٤٨٩) من حديث شعبة ابن الحجاج عن سوار بن ميمون ، نا هارون بن قزعة عن رجل من آل الخطاب عن النبى ﷺ قال :

« من زارنى متعمداً كان فى جوارى يوم القيامة ، ومن سكن المدينة وَجدَّ على بلائها كنت له شهيداً أو شفيعاً ، ومن مات فى أحد الحرمين بعثه الله من الآمنين يوم القيامة » .

وقال العقيلى : والرواية فى هذا لينة (٤/ ١٧٠) .

فاختلف حديث شعبة وأبى داود الطيالسى وخلافهما يرجع لأمرين :

الأول : قال شعبة عن سوار بن ميمون عن هارون بن قزعة ، ولم يذكر أبو داود هارون بن قزعة .

الثانى : الاختلاف فيمن رفع الحديث .

وهذا الاختلاف لا مدخل لشعبة ولأبى داود الطيالسى فيه فكلاهما من كبار الحفاظ الثقات خاصة أولهما فتوهيم أحدهما - كما فعل ابن عبد الهادى - فيه نظر .

فقد حكم ابن عبد الهادى بوهم أبو داود الطيالسى من جهتين ، الأولى : أنه وهم بإسقاط هارون بن قزعة من روايته ، الثانية : أن ذكر عمر وهم من الطيالسى .

كذا قال ابن عبد الهادى سامحه الله (الصارم المنكى ص ١٣٢)!!

وهذا عجيب جداً من ابن عبد الهادى ، فإن أبا داود الطيالسى حافظ ثقة إمام مصنف حدث بما تحمله ، فلا مدخل له فيه .

والصواب أن هذا الاختلاف راجع لسوار بن ميمون ، فإنه مما لا ترجمة له فى كتب الرجال .

فلا ينبغي أن يوهم الطيالسي ويترك سوار بن ميمون - أو ميمون ابن سوار كما قيل في بعض الروايات - الغير معروف .

والحاصل أن الحديث ضعيف بهذا الإسناد .

٢٣ - حديث : « **من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي** » .

أخرجه الطبراني في المعجم الكبير (٤٠٦/١٢) ، والدارقطني في سننه (٢٧٨/٢) ، والبيهقي في السنن الكبرى (٢٤٦/٥) ، وابن عدي في الكامل (٢/ ٧٩٠) ، والأصبهاني في الترغيب والترهيب (٤٤٧/١) ، والفاكهي في أخبار مكة (٤٣٧/١) ، وعزاه الذهبي للبخاري في الضعفاء تعليقاً ، ولم أجده في المطبوعة (الميزان : ٥٥٩/١) ، وهو في المطالب العالية (٣٧٢/١) معزواً لأبي يعلى .

جميعهم من طريق حفص بن سليمان الأسدي القاري عن ليث بن أبي سليم ، عن مجاهد بن جبر عن ابن عمر مرفوعاً قال : قال رسول الله ﷺ : « من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي » .

وفي هذا الإسناد ضعيفان ، وأولهما أضعف من الثاني .

أما أولهما : فهو حفص بن سليمان الكوفي القاري .

ضعفه جماعة ، وقال بعضهم : متروك ، وبالغ فيه بعضهم فنسبه إلى الكذب ، وقد أجاب على هذه المبالغة تقي الدين السبكي رحمه الله تعالى فقال :

وعندي أن هذا القول سرف ، فإن هذا الرجل إمام قراءة وكيف يعتقد أنه يقدم على وضع الحديث والكذب ويتفق الناس على الأخذ

بقراءته ، وإنما غايته أنه ليس من أهل الحديث ، فلذلك وقعت المنكرات والغلط الكثير فى روايته . ا هـ (شفاء السقام ص ٢٥) .

وقال تلميذه الذهبى فى ترجمة شيخه عاصم بن أبى النجود القارى :

ما زال فى كل وقت يكون العالِم إماماً فى كل فن مقصراً فى فنون وكذلك كان صاحبه حفص بن سليمان ثبتاً فى القراءة واهياً فى الحديث ، وكان الأعمش بخلافه كان ثبتاً فى الحديث ليناً فى الحروف . ا هـ (سير النبلاء : ٥/ ٢٦٠) .

وبكلام السبكى والذهبى يزول ما قد يشكل للبعض عن حال حفص بن سليمان القارى .

وثانيهما : هو ليث بن أبى سليم صدوق فى نفسه لكنه اختلط ، ولم يتميز حديثه ، فمثله وإن كان ضعيفاً فلم يتخلف عنه بصير فى باب المتابعات والشواهد .

ولم ينفرد حفص بن سليمان به عن ليث بن أبى سليم فله متابعان :

أولهما : ما أخرجه الطبرانى فى معجميه الكبير (١٢/ ٤٠٦) ، والأوسط (١/ ٢٠١) .

قال : حدثنا أحمد بن رشدين ، قال : حدثنا علىّ بن الحسن بن هارون الأنصارى ، قال : حدثنى الليث ابن ابنة الليث بن أبى سليم قال : حدثتنى عائشة ابنة يونس امرأة الليث عن ليث بن أبى سليم عن مجاهد عن ابن عمر به مرفوعاً . هكذا وقع فى الكبير .

وفى المطبوع من المعجم الأوسط للطبرانى لم يذكر ليث بن أبى

سليم ، والصواب ما وقع في الكبير ، وأشار الطبراني في الأوسط إلى تفرد عليّ بن الحسن بن هارون الأنصاري به .

وقال الهيثمي في « المجمع » : وفيه عائشة بنت سعد ، ولم أجد من ترجمها (٤/ ٢) . اهـ .

قلت : والأمر كذلك ، ومثلها عليّ بن الحسن بن هارون الأنصاري ، والليث ابن ابنة الليث بن أبي سليم لم أجد من ترجمهما .

وشيخ الطبراني أحمد بن رشدين المقال فيه مشهور . فهذا الإسناد ضعيف جداً .

أما المتابعة الثانية :

فهي ما أخرجها أبو بكر محمد بن السري بن عثمان التمار في جزئه قال :

ثنا نصر بن شعيب مولى العبديين ، ثنا أبي ، وثنا جعفر بن سليمان الضبعي عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر به مرفوعاً . كذا في « شفاء السقام » (ص ٢٧) .

وهذا الإسناد ضعيف . بسبب أبي بكر محمد بن السري بن عثمان التمار .

قال عنه الذهبي :

يروي المناكير والبلايا ، ليس بشيء ، وأقره الحافظ في اللسان (٥/ ١٧٤) .

Marfat.com

وفيه ضعيف آخر هو نصر بن شعيب .

قال الذهبي عنه في الميزان (٢/ ٢٥١) : نصر بن شعيب عن أبيه عن جعفر بن سليمان ضعف .

وقال ابن عساكر : هو وهم وإنما هو حفص بن سليمان أبو عمر الأسدي الغاضري القاري (شفاء السقام ص ٢٧) . وعلى كل فالحديث ضعيف .

٢٤ - حديث : « من حجَّ حجة الإسلام وزارَ قبري وغَزَا غزوةً وصلَّى في بيتِ المقدسِ لَمْ يسألْه اللهُ عَمَّا افترض عليه » .

أخرجه أبو الفتح الأزدي في فوائده قال :

ثنا النعمان بن هارون بن أبي الدلهات ، ثنا أبو سهل بدر بن عبد الله المصيصي ، ثنا الحسن بن عثمان الزيادي ، ثنا عمار بن محمد ، حدثني خالي سفيان عن منصور عن إبراهيم عن علقمة عن عبد الله ابن مسعود مرفوعاً به .

كذا في شفاء السقام (ص ٣٤) .

ولكن وقع فيه ابن عمر والصواب ابن مسعود كما في اللسان (٢/ ٤) ، والقول البديع (ص ١٣٥)، وتنزيه الشريعة (٢/ ١٧٥).

أبو الفتح الأزدي صاحب الجزء هو حافظ مشهور ضعفه جماعة ، وبالغ فيه بعضهم بسبب روايته حديثاً أتهم به .

قال الخطيب في التاريخ (٢/ ٢٤٤) : وسألت محمد بن جعفر ابن علان عنه فذكره بالحفظ وحُسنَ المعرفة بالحديث وأثنى عليه ،

Marfat.com

فحدثني أبو النجيب عبد الغفار بن عبد الواحد الأرموى قال : رأيتُ أهل الموصل يوهِنون أبا الفتح الأزدى جداً ولا يعدونه شيئاً . قال : وحدثني محمد بن صدقة الموصلى أنّ أبا الفتح قدم بغداد على الأمير - يعني ابن بويه - فوضع له حديثاً : أن جبريل كان ينزل على النبى ﷺ فى صورته . قال : فأجازه وأعطاه دراهم كثيرة . ا هـ

وقال ابن كثير فى « البداية » (١١/ ٣٠٣) :

ضَعَّفَهُ كثير من الحفاظ من أهل زمانه واتهمه بعضهم بوضع حديث رواه لابن بويه ، حين قدم عليه بغداد ، فساقه بإسناد إلى النبى ﷺ : « أن جبريل كان ينزل عليه في مثل صورة ذلك الأمير » ، فأجازه وأعطاه دراهم كثيرة . ا هـ

وفى إسناده أبو سهل بدر بن عبد الله المصيصى قال عنه الحافظ الذهبى : ... عن الحسن بن عثمان الزيادى بخبر باطل وعنه النعمان بن هارون . (الميزان : ١/ ٣٠٠) .

وقال الحافظ ابن حجر فى ترجمته فى اللسان (٢/ ٤) : والخبر المذكور أخرجه أبو الفتح الأزدى فى الثامن من فوائده فذكره الحافظ بإسناده .

وأورده السيوطى فى « ذيل اللآلىء » ، فذكره ابن عرّاق فى تنزيه الشريعة تبعاً له . (٢/ ١٧٥) .

وقال الحافظُ السخاوى فى القول البَديع (ص ١٣٥) : فى ثبوته نظر . ا هـ

فالصوابَ - والله أعلم - أن الحملَ فى هذا الحديث على أبى

الفتح الأزدى لا على المصيصى . وقد قال الإمام السبكى عن المصيصى : ما علمت من حاله شيئاً (شفاء السقام ص ٣٤ - ٣٥) .

وهل صح السند إلى المصيصى حتى تعلق التهمة به ؟

والحاصل : أن الحديث لا يصح وبعضهم حكم عليه بالوضع وفى المتن نكارة .

٢٥ - حديث : « مَنْ حَجَّ البيتَ وَلَمْ يزرنى فقدْ جفَانى » .

أخرجه ابنُ عدى فى « الكامل » (٧/ ٢٤٨٠) ، وابن حبان فى « المجروحين » (٣/ ٧٣) ، والدارقطنى فى غرائب مالك (كما فى شفاء السقام ص ٢٨) ، والسهمى فى « تاريخ جرجان » (ص ٢١٧) .

جميعهم من طريق محمد بن محمد بن النعمان بن شبل قال : حدثنى جدى ، قال : حدثنا مالك عن نافع عن ابن عمر به مرفوعاً .

وقد حكم عليه ابن الجوزى بالوضع (الموضوعات : ٢/ ٢١٧) فأصاب فى حكمه ووافقه فى هذا الحكم جماعة من الحفاظ .

فمحمد بن محمد بن النعمان بن شبل طعن فيه الدارقطني واتهمه (الميزان : ٤/ ٢٦) .

وجده النعمان بن شبل قال عنه موسى بن هارون : كان متهماً (الكامل : ٧/ ٢٤٨٠) ، وقال ابن حبان فى « المجروحين » (٣/ ٧٣) : يأتي عن الثقات بالطامات ، وعن الأثبات بالمقلوبات . اهـ

فإن قيل : قد قال ابن عدى فى الكامل (٧/ ٢٤٨٠) : ثنا

صالح بن أحمد بن أبى مقاتل ، ثنا عمران بن موسى الدجاجى ، ثنا النعمان بن شبل وكان ثقة . ا هـ

أجيب بأن هذا التوثيق إما أن يكون من صالح بن أحمد أو من عمران بن موسى الدجاجى ، فإنْ كان من أولهما ، فهو ليس أهلاً له ، وإن كان من ثانيهما فالرواية لا تصح إليه ، فإن صالح بن أحمد ابن أبى مقاتل هو المعروف بالقيراطى البزار شديدُ الضعف حتى قالَ عنه الدارقطنى : متروكٌ كذابٌ دجالٌ ، وقال عنه ابن عدى : كانَ يسرقُ الحديثَ .

وعلى كُلٍّ فالحَمْلُ فى هذا الحديث على محمد بن محمد بن النعمان أولى من الحمل على جده النعمان بن شبل وهو ما صرح به الدارقطنى ، فقال فيما نقله عنه ابن الجوزى فى الموضوعات (٢/٢١٧) حيث قال :

« الطعن فى هذا الحديث من محمد بن محمد بن النعمان». ا هـ

والنعمان بن شبل قد ارتضاه ابن عدىّ فى « الكامل (٧/ ٢٤٨٠) .

ويروى هذا الحديث بإسناد ساقط جداً ، ولعلَّ محمد بن محمد ابن النعمان سَرَقَهُ من جده وركَّبَ له إسناداً نظيفاً عن مالك عن نافع عن ابن عمر ، فقد أخرج أبو الحسن يحيى بن الحسن بن جعفر فى أخبار المدينة (كما فى شفاء السقام ص ٣٩) من حديث النعمان بن شبل ، ثنا محمد بن الفضل عن جابر عن محمد بن علىّ عن علىّ رضى الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ :

« مَنْ زارَ قَبرى بعدَ مَوْتى فَكَأنَّما زَارَنى فى حَيَاتِى ، ومن لم يزرنى فَقَدْ جَفَانِى » .

Marfat.com

قلت : هذا تالف .

والنعمان بن شبل تقدم الكلام عليه .

ومحمد بن الفضل هو ابن عطية العبسى الكوفى كذبه غير واحد من النقاد .

وجابر هو ابن يزيد الجعفى حاله معروف فى الضعف .

٢٦ - حديث : « **مَنْ زَارَ قبرى حَلَتْ لَهُ شَفَاعَتِى** » .

أخرجه البزار فى مسنده (كشف الأستار : ٢/ ٥٧) .

حدثنا قتيبة ، ثنا عبد الله بن إبراهيم ، ثنا عبد الرحمن بن زيد ، عن أبيه عن ابن عمر عن النبى ﷺ : « من زار قبرى حلت له شفاعتى » .

قال البزار :

عبد الله بن إبراهيم لم يتابع على هذا وإنما يُكتب ما يتفرد به . ا هـ

وقال الهيثمى فى المجمع (٤/ ٢) :

رواه البزار وفيه عبد الله بن إبراهيم الغفارى وهو ضعيف . ا هـ

قلت : عبد الله بن إبراهيم الغفارى حاله أشد في الضعف .

فقد قال عنه الحافظ فى « التقريب » (ص ٢٩٥) :

متروك ونسبه ابن حبان إلى الوضع . ا هـ

وشيخه عبد الرحمن بن زيد بن أسلم ضعيف أيضاً .

وكان ابن عدى حسن الرأى فيه ، وتقدم الكلام عليه .

Marfat.com

والحاصل : أن هذا الحديث ضعيف جداً بهذا الإسناد .

٢٧ - حديث : « مَنْ زَارَنِي بَعدَ مَوْتِي فكَأَنَّما زَارَنِيَ وَأنا حي » .

قال الإمام تقى الدين السبكى : رواه أبو الفتوح سعيد بن محمد ابن إسماعيل اليعقوبى فى جزء له فيه فوائد مشتملة على بعض شمائل سيدنا رسول الله ﷺ وآثاره وما ورد في فضل زيارته ودرجة زواره (شفاء السقام ص ٣٤ - ٣٥) .

وأخرجه اليعقوبى من طريق خالد بن يزيد ، ثنا عبد الله بن عمر العمرى ، قال : سمعت سعيد المقبرى يقول : سمعت أبا هريرة رضى الله عنه يقول فذكره مرفوعاً .

فى هذا الإسناد خالد بن يزيد أبو الهيثم العمرى المكى كذبه أبو حاتم ويحيى بن معين وضعفه جداً العقيلى وابن عدى وابن حبان وغيرهم .

٢٨ - حديث : « مَنْ زَارَنِي مَيتاً فكَأَنَّما زَارَنِي حياً ، وَمَنْ زَارَ قَبْرِي وجبتْ لَهُ شَفَاعَتِي يومَ القيامةِ وَمَا مِنْ أَحدٍ مَن أمتى له سعةٌ ثُمَّ لم يزرني فليس لَهُ عُذرٌ » .

أخرجه ابن النجار فى الدرة الثمينة فى فضائل المدينة (ص ١٤٤) .

من طريق محمد بن مقاتل عن جعفر بن هارون عن سمعان بن المهدى عن أنس مرفوعاً به .

وهذا بعض من نسخة سمعان بن المهدى المكذوبة .

قال الحافظ الذهبى فى الميزان (٢/ ٢٣٤) عن سمعان هذا :

الصقت به نسخة مكذوبة رأيتها قبح الله من وضعها . اهـ

وقال الحافظ فى « اللسان » (٣/ ١١٤) فى ترجمة سمعان المذكور . وهى من رواية محمد بن مقاتل الرازى عن جعفر بن هارون الواسطى عن سمعان ، فذكر النسخة وهى أكثر من ثلاثمائة حديث أكثر متونها موضوعة . وهذا هو السند المذكور أعلاه ومحمد ابن مقاتل الرازى . قال عنه الذهبى (٤/ ٤٧) :

تكلم فيه ولم يترك . اهـ

وجعفر بن هارون الواسطى قال عنه الذهبى :

أتى بخبر موضوع . اهـ

ونسخة سمعان بن مهدى عن أنس من النسخ المشهورة بالوضع .

٢٩ - حديث : « رَحِمَ اللهُ مَنْ زَارَنى وزِمَامُ ناقتِه بِيدِه » .

هذا الحديث وضعه العوام ولا إسناد له ، وقد صرح الحافظ ابن حجر بأنه مما لا أصل له ، وأقره تلميذه السخاوى فى المقاصد الحسنة .

٣٠ - حديث : « مَنْ زَارَنى وَزَارَ أَبى إبراهيمَ فِى عامٍ وَاحِدٍ دَخَلَ الجنة » .

هذا حديث موضوع ولا إسناد له ، صرح بذلك الإمام النووى فى المجموع (٨/ ٢٠٩) ، وابن تيمية فى اقتضاء الصراط المستقيم (ص ٤٠٢) .

وممن حكم ببطلانه الزركشى والسيوطى وابن عراق فى جماعة آخرين .

٣١ - حديث : « **مَنْ صَلَّى عَلَّى عِندَ قبرِى سمعتُه ، ومَنْ صَلَّى علىَّ نائياً أُبْلغتُه** » .

أخرجه أبو الشيخ الأصبهانى فى الثواب (كما فى اللآلىء : ٢٨٣/١) .

حدثنا عبد الرحمن بن أحمد الأعرج ، حدثنا الحسن بن الصباح ، حدثنا أبو معاوية عن الأعمش عن أبى صالح عن أبى هريرة به مرفوعاً .

قال الحافظ السخاوى فى القول البديع (ص ١٥٤) : **وسنده جيد كما أفاده شيخنا (أى الحافظ ابن حجر)** . اهـ

وقد أصاب الحافظ فى حكمه ، فإسناد الحديث رجاله رجال الصحيح ما خلا شيخ أبى الشيخ الأصبهانى ، وهو عبد الرحمن بن أحمد بن أبى يحيى الزهرى أبو صالح الأعرج المتوفى سنة ٣٠٠ ترجمه أبو الشيخ الأصبهانى فى طبقات المحدثين بأصبهان (٥٤١/٣) ، وأبو نعيم فى أخبار أصبهان (١١٣/٢) ، ولم يذكرا فيه جرحاً أو تعديلاً .

وقد روى عنه جماعة منهم أبو الشيخ ابن حيان الأصبهانى الحافظ ، فغاية ما فى الرجل إنَّه مستور ، وهو على شرط ابن حبان لكن لم أجده فى ثقاته .

ومثل هذا الصنف من الرواة يقبل الجمهور حديثه ما لم يخالف كما صرح الذهبى بذلك فى ترجمة مالك بن الخير الزيادى .

وقال الذهبى فى ترجمة زياد بن مليك (٢/ ٩٣) : شيخ مستور ما وُثق ولا ضعف ، فهو جائز الحديث . ا هـ

وقال فى ترجمة الربيع بن زياد الهمدانى (٢/ ٤٠) : ما رأيت لأحد فيه تضعيفاً ، فهو جائز الحديث . ا هـ

وتوسع الزركشى فقال فى المعتبر فى تخريج أحاديث المنهاج والمختصر (ص ٦٩) :

قال أهل هذا الشأن : إنَّ جهالة الراوى لا توجب قدحاً إذا كان من روى عنه ثقة ، فإن روايته عنه تكون تعديلاً له . ا هـ .

والحاصل أنَّ رواية من كان هذا شأنه مقبولة ما لم يخالف أويأت بمتن منكر ، ولا تجد هنا مخالفة ومتن الحديث ليس فيه نكارة .

فالحديث بهذا الإسناد مقبول ، **وقد قال الحافظ أحمد بن الصديق الغمارى فى المداوى لعلل المناوى (٦/ ٢٧٧/ ١) إسناده نظيف** . ا هـ

وقد صرح ابن تيمية فى الرد على الأخنائى (ص ١٣٤) أن الحديث صحيح المعنى ، ولكنه تكلم فى إسناده باعتبار ما سيأتى إن شاء الله تعالى .

وللحديث طريق آخر عن الأعمش .

أخرجه العقيلى فى الضعفاء (٤/ ١٣٧) ، والبيهقى فى حياة الأنبياء (ص ١٥) ، وفى شعب الإيمان (٢/ ٢١٨) ، والخطيب فى التاريخ (٣/ ٩١ ، ٢٩٢) ، وابن الجوزى فى الموضوعات (١/ ٣٠٣) ، وغيرهم .

Marfat.com

من طريق محمد بن مروان السدى عن الأعمش عن أبى صالح عن أبى هريرة به مرفوعاً .

قلت : فى إسناده محمد بن مروان السدى متروك الحديث وكُذِّب .

وقال العقيلى فى الضعفاء : لا أصل له من حديث الأعمش وليس بمحفوظ ولا يتابعه إلا من هو دونه . ا هـ

وقال ابن كثير فى « التفسير » (٦/ ٤٦٦) : فى إسناده نظر تفرد به محمد بن مروان السدى الصغير وهو متروك . ا هـ

النظر الذى ذكره ابن كثير هو بالنسبة لهذا الإسناد فقط ، فقد حكم على هذا الحديث بالوضع ابن الجوزى ومن تبعه .

أمَّا بالنظر لما للطريق الذى أخرجه أبو الشيخ فى الثواب ، فالحديث جيد الإسناد كما صرح بذلك الحافظ ابن حجر ، واختلف فيه قول ابن تيمية ، فحكم عليه بالوضع فى الفتاوى (٢٧/ ٢٤١)، لكن قال : إسناده لين فى إحدى رسائله فى الزيارة (ص ١٧) وقال فى الرد على الأخنائى (ص١٣٤) : وإن كان معناه صحيحاً فإسناده لايحتج به .

وأنت خبير أن حكمه بالوضع فبالنظر لإسناد السدى الصغير فقط .

وإن تعجب فاعجب من ابن عبد الهادى رحمه الله تعالى الذى ذهب إلى أقصى التشدد ، فقال فى صارمه : وقد روى بعضهم هذا الحديث من رواية أبى معاوية عن الأعمش ، وهو خطأ فاحش وإنما محمد بن مروان تفرد به ، وهو متروك الحديث متهم بالكذب .ا هـ

ووجه العجب أنَّه جعل رواية السدى المتروك المكذب هى المحفوظة وسواء كان قد وقف على رواية أبى الشيخ أو لم يقف عليها ، فإنَّه لم يأت بدليل يقيم صلب دعواه ، وما كان كذلك فإنه ينهار من

أساسه ، ثم محمد بن مروان السدى لم يتفرد به كما يشير إليه كلام العقيلى وكما يعلم من رواية أبى الشيخ الأصبهانى المتقدمة ولعل ابن عبد الهادى لم يرد أن يخالف شيخه ابن تيمية .

وحاصل ما ذكر أن الحديث جيد الإسناد ، ومن حكم على هذا الحديث بالوضع فلعدم وقوفه على رواية أبى الشيخ . والله أعلم .

٣٢ - حديث : « مَا مِنْ أَحَدٍ يُسلِّمُ عليَّ إلا رَدَّ اللهُ عليَّ رُوحِي حَتَّى أردَّ عَلَيهِ » .

أخرجه أحمد (٢/ ٥٢٧) ، وأبو داود (٢/ ٢٩٣) ، والبيهقى فى السنن الكبرى (٥/ ٢٤٥) ، وفى حياة الأنبياء (ص ١١٠) ، وفي الشعب (٢/ ٢١٧) ، وأبو نعيم فى أخبار أصبهان (٢/ ٣٥٣) .

جميعهم من طريق أبى صخر حميد بن زياد عن يزيد بن عبد الله ابن قسيط عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال : ما من أحد يسلم عليَّ إلا رد الله عليَّ روحى حتى أرد عليه السلام .

أبو صخر حميد بن زياد قال عنه أحمد وابن معين : لا بأس به ، ووثقه الدارقطنى وابن حبان وقال البغوى : مدنى صالح الحديث .

وقال ابن عدى : وهو عندى صالح الحديث .

وضعفه يحيى بن معين فى رواية وكذا النسائى ، ووثقه ابن شاهين ، وذكره الذهبى فى جزء من تكلم فيه ، وهو موثق (ص ٧٣) .

ثم وثقه من اتفق الأئمة على قبول توثيقه والعمل بمقتضاه ، فقد أخرج له مسلم في صحيحه .

فالرجل حسن الحديث على الأقل فلا تلتفت لتشغيب ابن عبد الهادى ؛

Marfat.com

فإنه جعل الاختلاف فى اسم وكنية الراوى سبباً لرد حديثه ، ولو كان الاختلاف فى الاسم والكنية سبباً لتضعيف الراوى لفتح باب جديد لتضعيف الرواة ، وعند ذلك فللعقلاء أن يقولوا : رحمة الله على الحديث وعلومه ، فكم من راوٍ اختلف فى اسمه وكنيته ، وهو ثقة ، وكم من راوٍ اتفق على اسمه وكنيته وهو ضعيف .

والحاصل أن حميد بن زياد حسن الحديث .

أما يزيد بن عبد الله بن قسيط فقد احتج به الجماعة ووثقة النسائى وابن حبان وابن عبد البر وغيرهم ، وقال ابن معين : لا بأس به .

فالحديث حسن بهذا الإسناد . والله أعلم .

٣٣ - أخرج الحاكم فى المستدرك (٢/ ٥٩٥) من طريق محمد بن اسحاق عن سعيد بن أبى سعيد المقبرى عن عطاء مولى أم حبيبة قال: سمعت أبا هريرة يقول : قال رسول الله ﷺ : « ليهبطن عيسى بن مريم حكماً عدلاً وإماماً مقسطاً ، ولَيَسْلُكَنَّ فجاً حاجاً أو معتمراً أو بنيتهما ، وليأتين قبرى حتى يسلم علىّ ولأردن عليه » .

قال الحاكم : هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه بهذه السياقة وسلمه الذهبى .

وللحديث أوجه أخر ورجح هذا الوجه أبو زرعة الرازى فى العلل (رقم٢٧٤٧) ، ولايضر هنا عدم تصريح محمد بن إسحاق بالسماع .

٣٤ - حديث : « لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد : المسجد الحرام ، والمسجد الأقصى ، ومسجدى هذا » .

Marfat.com

حديث صحيح له طرق متعددة عن أبى سعيد الخدرى ، وأبى هريرة ، وجابر بن عبد الله وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عمرو بن العاص وعلىّ بن أبى طالب ، وأبى الجعد الضمرى وواثلة بن الأسقع ، والمقدام بن معدى كرب وأبى أمامة وعمر بن الخطاب رضى الله عنهم .

أما حديث أبى سعيد الخدرى ، فأخرجه البخارى (٣/ ٦٣) ، ومسلم (٢/ ٩٧٦) ، والترمذى (٢/ ١٤٨) ، وقال : حسن صحيح ، وابن ماجه (١/ ٤٥٢) ، وأحمد (٣/ ٣٤ ، ٤٥ ، ٥١) ، وأبو يعلى (٢/ ٣٣٨) ، والحميدى (٢/ ٣٣٠) ، وابن أبى شيبة فى المصنف (٢/ ٢٧٤) ، وابن حبان فى صحيحه (٣/ ٧١) ، والطحاوى فى مشكل الآثار (١/ ٢٤٢) ، والبيهقى فى السنن الكبرى (١٠/ ٨٢) ، وأبو الشيخ فى طبقات المحدثين بأصبهان (٢/ ٢٢١) ، وأبو نعيم فى ذكر أخبار أصبهان (١/ ٨٥) ، والطبرانى فى المعجم الأوسط (٣/ ١٠٣) ، والخطيب فى تاريخ بغداد (١١/ ١٩٥) ، والواسطى فى فضائل بيت المقدس (ص ٦) والبغوى فى شرح السُّنَّة (٢/ ٣٣٦) .

وغيرهم من طرق عن قزعة بن يحيى عن أبى سعيد الخدرى به مرفوعاً .

ولفظ البخارى وغيره :

« لا تسافر المرأة مسيرة يومين إلا ومعها زوجها أو ذو محرم ، ولا صوم فى يومين : الفطر والأضحى ، ولا صلاة بعد الصبح حتى

تطلع الشمس ولا بعد العصر حتى تغرب ، ولا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد مسجد الحرام ومسجد الأقصى ومسجدى هذا » .

وله طريق ثان عن أبى سعيد الخدرى أخرجه أحمد فى المسند (٣/٥٣) ، وابن الجوزى فى فضائل القدس (ص ٩٦) من طريق مجالد بن سعيد عن أبى الوداك عن أبى سعيد الخدرى به مرفوعاً .

مجالد بن سعيد وأبو الوداك هو جبر بن نوف فيهما مقال وحديثهما يصلح للاستشهاد به على الأقل .

وطريق ثالث أخرجه الطبرانى فى المعجم الأوسط (٢/ل٢/ ٢) من حديث عطية العوفى عن أبى سعيد الخدرى .

وعطية العوفى سبق تفصيل الكلام عليه عند الكلام على حديث : « اللّهم إنى أسألك بحق السائلين » .

وطريق رابع أخرجه عبد حميد فى المنتخب من المسند (رقم ٩٤٩ ص ١٨٠) ، وتمام فى فوائده (الروض البسام : ١/ ٣٠٠) .

من طريق أبى هارون عمارة بن جوين العبدى عن أبى سعيد الخدرى مرفوعاً به .

وعمارة بن جوين شديد الضعف ، وقال عنه الحافظ فى التقريب : متروك .

وأخرج بعضه من هذا الطريق أبو يعلى الموصلى فى مسنده (٢/ ٣٧٢) .

وطريق خامس أخرجه أحمد فى المسند (٣/ ٧١) عن عكرمة مولى زياد عن أبى سعيد الخدرى مرفوعاً به .

وطريق سادس فيه أخذ ورد أخرجه أحمد (٣/ ٦٤ ، ٩٣) ، وأبو يعلى في مسنده (٢/ ٤٨٩) من طريق ليث وعبد الحميد بن بهرام عن شهر بن حوشب قال : أقبلت أنا ورجال من عمرة فمررنا بأبي سعيد الخدريّ ، فدخلنا عليه فقال : أين تريدون ؟ قلت : نريد الطور ، قال : وما الطور ؟ سمعت رسول الله ﷺ يقول : « لا تشد رحال المطي إلى مسجد يذكر الله فيه إلا إلى ثلاثة مساجد : مسجد الحرام ، ومسجد المدينة ، وبيت المقدس ... » الحديث .

فزاد شهر بن حوشب زيادة هي : إلى مسجد يذكر الله فيه أو إلى مسجد ينبغي فيه الصلاة .

ومثل هذه الزيادة محل أخذ ورد بين المحدثين ومحدثي الفقهاء والفقهاء .

وممن قال بقبولها الحافظ ابن حجر ، فقال في الفتح (٣/ ٦٥) :

ويؤيده ما روى أحمد من طريق شهر بن حوشب قال : سمعت أبا سعيد وذكرت عنده الصلاة في الطور ، فقال : قال رسول الله ﷺ : « لا ينبغي للمصلي أن يشد رحاله إلى مسجد تبتغى فيه الصلاة غير المسجد الحرام والمسجد الأقصى ومسجدي » .

وشهر حسن الحديث وإن كان فيه بعض الضعف . اهـ .

فهذا قول شيخ الفن وعلمه المفرد فانظره أيها المتبصر في اعتماد رواية شهر بن حوشب في شرح المراد من الحديث .

فانفراد شهر بن حوشب بهذه اللفظة لا يعني سقوطها وردها ، فالرجل حسن الحديث ، كما صرح الحافظ وقبله عدد من الحفاظ ،

ومال إلى هذا الحافظ ابن الصلاح فى صيانة صحيح مسلم (ص١٢٢)، وقال الحافظ الذهبى فى سير النبلاء (٤/٣٧٨) : « والاحتجاج به مترجح ».

وأودعه - الذهبى أيضاً - فى جزء من تكلم فيه وهو موثق (ص ١٠٠).

فإن تشددت غاية التشدد ، فإن هذه اللفظة التى انفرد بها شهر بن حوشب هى من قبيل الرواية بالمعنى وتفسير للحديث من أحد كبار علماء التابعين .

★ **تنبيه :**

حاول الألبانى أن يسقط اللفظة التى انفرد بها شهر بن حوشب بالكلية ، فقال فى إروائه (٣/ ٢٣٠) :

قوله : « إلى مسجد » زيادة فى الحديث لا أصل لها فى شىء من طرق الحديث عن أبى سعيد ولا عن غيره فهى منكرة بل باطلة ، والآفة إما من شهر ، فإنه سىء الحفظ ، وإما من عبد الحميد وهو ابن بهرام ، فإن فيه كلاماً ، وهذا هو الأقرب عندى ، فقد رواه ليث عن شهر بدون الزيادة . اهـ .

قلت كلامه فيه نظر :

١ - فإن ما انفرد به شهر أو زاده على غيره لا يصح أن يقال له لا أصل له ، ثم إطلاق البطلان على زيادته ، والآفة من شهر ، نعم لا يصح أن يقال ذلك أيضاً ، فإن شهراً ما خالف مالكاً وشعبة وسفيان وأمثالهم ، وما خالف أمراً معلوماً مقطوعاً به .

ثم حديث الرجل يدور بين الحسن إما احتجاجاً أو استشهاداً فلا

يكون مثله آفة أبداً .

على أن هذه اللفظة التى انفرد بها شهر يقبلها جمع من الفقهاء ومحدثيهم .

٢ - قوله : وإما من عبد الحميد وهو ابن بهرام ، فإن فيه كلاماً . اهـ .

قلت : نعم عبد الحميد بن بهرام فيه كلام لكن حديثه عن شهر بن حوشب مقبول كما نص على ذلك عدد من الحفاظ .

قال أحمد : أحاديثه عن شهر مقاربة ، وقال ابن أبى حاتم عن أبيه : هو فى شهر كالليث فى سعيد المقبرى قلت : ما تقول فيه ؟ قال : ليس به بأس أحاديثه عن شهر صحاح لا أعلم روى عن شهر أحاديث أحسن منها .

وقال أحمد بن صالح المصرى : عبد الحميد بن بهرام ثقة يعجبنى حديثه أحاديثه عن شهر صحيحه .

وعلى ذلك فالناقد المتيقظ لا يضعف حديثاً عن شهر بن حوشب رواه عنه عبد الحميد بن بهرام ، ومن فعل ذلك علمت أنه أوتى من قلة اطلاع أو تعصب .

٣ - قوله : فقد رواه ليث عن شهر بدون الزيادة . اهـ

قلت : بل رواه بالزيادة المذكورة ليث عن شهر بن حوشب بطريق صحيح فى مسند أبى يعلى الموصلى (٢/ ٤٨٩) ، وكان الأولى بالألبانى إبقاء الاحتمال والتعلق به بدلاً من القطع والله أعلم .

وفى هذا القدر كفاية لمن كان من أهل العناية .

وأما حديث أبى هريرة فأخرجه البخارى (الفتح ٣/ ٦٣) ، ومسلم (٢/ ١٠١٤) ، وعبد الرزاق فى المصنف (٥/ ١٣٢) ، والحميدى فى مسنده (٢/ ٤٢١) ، وأحمد فى مسنده (٢/ ٢٣٤ ، ٢٣٨ ، ٥٠١) ، والدارمى (١/ ٢٧٢) ، وأبو داود (٢/ ٥٢٨)، والنسائى (٢/ ٣٧) ، وابن ماجه (١/ ٤٥٢) ، وأبو يعلى (٩/ ٢٨٣) ، والبيهقى فى السنن الكبرى (٥/ ٢٤٤) ، والخطيب فى التاريخ (٩/ ٢٢٢) ، والبغوى فى شرح السُّنَّة (٢/ ٣٣٧) .

جميعهم من طرق متعددة عن أبى هريرة .

وله رواية منكرة عن أبى هريرة أخرجها الطبرانى فى الأوسط (٢/ ل ١١/أ) من طريق خثيم بن مروان عن أبى هريرة قال : قال : قال رسول الله ﷺ : « لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد مسجد الخيف ومسجد الحرام ومسجدى هذا » .

قال الطبرانى : لم يذكر مسجد الخيف فى شد الرحال إلا فى هذا الحديث . اهـ. قلت : فيه ضعف وانقطاع .

قال البخارى فى التاريخ الكبير (٣/ ٢١٠) : لا يتابع فى مسجد الخيف ولا يعرف لخثيم سماع من أبى هريرة . اهـ .

وخثيم بن مروان ذكره ابن الجارود فى الضعفاء وقال العقيلى : لا يتابع على حديثه ولا يعرف إلا به ووثقه ابن حبان ، والحاصل أن هذه اللفظة : مسجد الخيف منكرة تفرد بها خثيم وهو ضعيف ، ولم يسمع عن أبى هريرة .

وأما حديث جابر بن عبد الله رضى الله عنهما فأخرجه أحمد (٣/ ٣٥٠) ، والنسائى فى السنن الكبرى (تحفة ٢/ ٣٤١) وعبد بن حميد فى المنتخب من المسند (رقم ١٠٩٧ ، ص ١٩٧) ، وأبو يعلى فى مسنده (٤/ ١٨٢ - ١٨٣) ، وابن حبان فى صحيحه (٤/ ٤٩٥) ، والطبرانى فى الأوسط (١/ ٤١٥) ، والحضرمى فى تاريخ علماء مصر (ص ١٠٧) ، وقاسم بن قطلوبغا فى عوالى الليث (رقم ٣٥) .

جميعهم من طرق عن الليث بن سعد عن أبى الزبير عن جابر به مرفوعاً .

وقال الطبرانى فى المعجم الأوسط : لم يرو هذا الحديث عن الليث إلا العلاء بن موسى . اهـ .

وفيه نظر .

فقد تابع العلاء بن موسى فى المسند يونس بن محمد المؤدب ، وقتيبة بن سعيد فى السنن الكبرى ، وعيسى بن يونس فى صحيح ابن حبان ، وأحمد بن يونس فى المنتخب من مسند عبد بن حميد ، والحضرمى فى تاريخ مصر ، وكامل الجحدرى فى مسند أبى يعلى .

فالإسناد صحيح سواء انفرد به العلاء بن موسى أو تابعه غيره .

ولم ينفرد به الليث بن سعد عن أبى الزبير .

فقد رواه عن أبى الزبير - فيما علمت - اثنان :

أولهما : ابن لهيعة أخرج هذه المتابعة أحمد فى المسند (٣/ ٣٣٦)

قال : ثنا حسن ، ثنا ابن لهيعة ، ثنا أبو الزبير عن جابر قال : قال سمعت رسول الله ﷺ يقول : « خير ما ركبت إليه الرواحل مسجد إبراهيم عليه السلام ومسجدى » .

حسن هو ابن موسى الأشيب ثقة احتج به الجماعة .

وعبد الله بن لهيعة مدلس كان قد اختلط بعد احتراق كتبه وقد صرح بالسماع .

وثانيهما : ما أخرجه البزار (كشف الأستار : ٢/ ٤) ، والطحاوى فى مشكل الآثار (١/ ٢٤١) كلاهما من طريق عبد العزيز ابن عبد الله الأويسى المدنى عن عبد الرحمن بن أبى الزناد عن موسى بن عقبة عن أبى الزبير عن جابر أن رسول الله ﷺ قال :

« خير ما ركبت إليه الرواحل مسجد إبراهيم عليه السلام ومسجد محمد ﷺ » ، وهذا الإسناد صحيح .

وعبد الرحمن بن أبى الزناد من تكلم فيه ففى حديث غير المدنيين عنه فقط ، والراوى عنه مدنى ثقة .

وأما حديث ابن عمر رضى الله عنهما فأخرجه ابن حبان فى الثقات (٨/ ٤٥٩) ، والطبرانى فى مسند الشاميين (رقم ١٥٣٨) ، والعقيلى فى الضعفاء (٣/ ٢٥٦) ، والضياء المقدسى فى فضائل بيت المقدس (رقم ٥) .

جميعهم من طرق متعددة عن علىّ بن يونس البلخى العابد عن هشام بن الغاز ، عن نافع عن ابن عمر عن النبى ﷺ قال :

« لا تشد المطايا إلا إلى ثلاثة مساجد مسجد الحرام ومسجدى هذا والمسجد الأقصى » .

وعلى بن يونس البلخى ذكره العقيلى فى الضعفاء (٣/ ٢٥٦) وقال :

لا يتابع على حديثه وسكت عنه ابن أبى حاتم ووثقه ابن حبان وروى عن جماعة .

واعتمد الهيثمى توثيق ابن حبان لعلىّ بن يونس فقال فى المجمع (٤/٤) : رجاله ثقات . اهـ .

وله طريق آخر عن ابن عمر مرفوعاً بلفظ :

« لا تشد الرجال إلا إلى ثلاثة مساجد : مسجد الحرام ، ومسجد المدينة ، ومسجد بيت المقدس » .

وشيخ الطبرانى فيه هو أحمد بن محمد بن رشدين فيه مقال مشهور ، وبالغ بعضهم فيه فكذبه .

لكن الحديث جاء موقوفاً عن ابن عمر من طرق أنظف من الطريقين المذكورين بكثير .

فقد أخرج البخارى فى التاريخ الكبير (٧/ ٢٠٤) ، وعبد الرزاق (٥/ ١٣٥) ، وابن أبى شيبة (٢/ ٣٧٣) . وعمر بن شبه فى أخبار المدينة (كما فى الصارم المنكى ص ٣٤٢) .

من حديث سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار عن طلق بن حبيب عن قزعة قال : سألت ابن عمر آتي الطور ؟ قال : دع الطور ولا تأتها وقال : لا تشدوا الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد .

وهذا الإسناد صحيح لا علة فيه .

وقد تابع ورقاء بن عمر سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار أخرج هذه المتابعة البيهقى فى شعب الإيمان (٨/ ١٠٦) .

وتابعه أيضاً ابن جريج ، أخرج هذه المتابعة الفاكهى فى أخبار مكة (٢/ ٩٤) ، وعبد الرزاق فى المصنف (٥/ ١٣١) .

وقد خالف أصحاب ابن عيينة وهم جمع من الثقات الحفاظ أحمد ابن محمد الأزرقى ، فرواه عن ابن عمر مرفوعاً كما فى أخبار مكة

لحفيده (٢/ ٦٤ - ٦٥) .

فرواية الأزرقى شاذة لمخالفتها لجمع من الثقات .

وعليه فتصحيح الألبانى لهذه الرواية الشاذة فى أحكام الجنائز (ص ٢٨٧) خطأ ظاهر .

وأما حديث عبد الله بن عمرو بن العاص .

فأخرجه ابن ماجه (١/ ٤٥٢) ، والطحاوى فى مشكل الآثار (١/ ٢٤٢) ، والطبرانى فى مسند الشاميين (٢/ ٣٠٩) ، والفاكهى فى أخبار مكة (٢/ ٩٩) ، ويعقوب بن سفيان الفسوى (٢/ ٢٩٥) .

جميعهم من طريق يزيد بن أبى مريم ، عن قزعة بن يحيى ، عن عبد الله بن عمرو به مرفوعاً وهذا إسناد صحيح .

ووقع عند ابن ماجه والطحاوى والطبرانى فى مسند الشاميين عبد الله بن عمرو مقروناً بأبى سعيد الخدرى .

وأما حديث علىّ بن أبى طالب

فأخرجه الطبرانى فى الأوسط (٨/ل ٢١٠ / ٢) ، والصغير (١/ ١٧٣) ، ومن طريقه الضياء المقدسى فى فضائل بيت المقدس (رقم ٦) .

قال الطبرانى فى المعجم الصغير : حدثنا سلمة بن إبراهيم بن إسماعيل بن يحيى بن سلمة بن كهيل الحضرمى الكوفى ، حدثنى أبى عن أبيه عن جده سلمة بن كهيل الحضرمى عن حجية بن عدى عن علىّ به مرفوعاً .

قال الطبرانى : لم يروه عن سلمة إلا ابنه يحيى تفرد به ولده عنه .

وأشار لهذه الغرابة الضياء المقدسى .

وهذا الإسناد شديد الضعف ، فإبراهيم بن إسماعيل بن يحيى بن سلمة ضعيف وأبوه وجده متروكان .

واقتصر الهيثمى فى المجمع (٤/ ٣ ، ٤) على إعلاله بالأول فقط

فقال : رواه الطبرانى فى الصغير والأوسط وفيه إبراهيم بن إسماعيل ابن يحيى الكهيلى وهو ضعيف . ا هـ .

ومتن الحديث معروف من حديث أبى سعيد الخدرى كما تقدم .

وأما حديث أبى الجعد الضمرى فأخرجه البزار (كشف الأستار ٢/ ٤) ، والطحاوى فى مشكل الآثار (١/ ٢٤٤) ، والطبرانى فى المعجم الكبير (٢٢/ ٣٦٦) ، والضياء المقدسى فى فضائل بيت المقدس (رقم ٥) .

جميعهم عن سعيد بن عمرو ، ثنا عبثر ، عن محمد بن عمرو عن عبيدة بن سفيان ، عن أبى الجعد الضمرى به مرفوعاً .

رجاله ثقات رجال الصحيح .

وقد قال الهيثمى فى المجمع (٤/ ٤) : رواه الطبرانى فى الكبير والأوسط ورجاله رجال الصحيح ورواه البزار أيضاً . ا هـ .

وأما حديث واثلة بن الأسقع فأخرجه الضياء المقدسى فى فضائل بيت المقدس (رقم ٧) من طريق أيوب بن مدرك الحنفى عن مكحول عن واثلة بن الأسقع به .

وقال الضياء المقدسى : لا أعلم أني كتبته من حديث واثلة إلا من هذا الوجه من رواية أيوب بن مدرك وهو من المتكلمين فيه . ا هـ .

وأيوب بن مدرك قال عنه ابن معين : ليس بشىء .

وقال مرة : كذاب ، وقال أبو حاتم والنسائى : متروك .

ومع ضعف أيوب بن مدرك ، ففى الإسناد انقطاع ، فإن أيوب بن مدرك عن مكحول مرسل (التاريخ الكبير : ١/ ٤٢٣) .

فهذا الإسناد من قسم الواهيات .

وأما حديث المقدام بن معدى كرب وأبى أمامة رضى الله عنهما

فأخرجه أبو نعيم الأصبهانى فى الحلية (٩/ ٣٠٨) .

Marfat.com

حدثنا سليمان ، ثنا موسى ، ثنا محمد بن المبارك ، ثنا إسماعيل ابن عياش ، عن زيد بن زرعة عن شريح بن عبيد عن المقدام بن معدى كرب وأبى أمامة به مرفوعاً .

في هذا الإسناد ضعف وانقطاع .

أما الضعف فبسبب موسى وهو ابن عيسى بن المنذر هكذا وقع فى ترجمة محمد بن المبارك الحمصى فى حلية الأولياء مراراً .

وموسى بن عيسى قال عنه الحافظ فى اللسان (١٢٦/٦ - ١٢٧) :

روى عنه الطبرانى وهو من قدماء شيوخه سمع منه قبل الثمانين ومائتين وكتب النسائى عنه فقال : حمصى لا أحدث عنه شيئاً ليس هو شيئاً . ا هـ .

قلت : وقع سماعه فى المعجم الصغير (١٠٩/٢) ، سنة ثمان وسبعين ومائتين .

وأما الانقطاع فإن شريحاً لم يدرك أبا أمامة ولا المقدام .

قال ابن أبى حاتم الرازى سمعت أبى يقول : شريح بن عبيد الحضرمى لم يدرك أبا أمامة ولا الحارث بن الحارث ولا المقدام . ا هـ (المراسيل ص ٩٠) .

وأما حديث عمر بن الخطاب فأخرجه البزار فى مسنده البحر الزخار (٢٩١/١ - ٢٩٢) .

قال : حدثنا يحيى بن محمد بن السكن قال : نا حبان بن هلال وأملاه علينا من كتابه عن همام عن قتاده عن أبى العالية عن ابن عباس عن عمر أن النبى ﷺ قال :

« لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد : مسجد الحرام ، ومسجدى هذا ، ومسجد الأقصى » .

قال البزار : وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن عمر إلا من هذا الوجه من هذا الإسناد وهو خطأ أتى خطؤه من حبان لأن هذا الحديث إنما يرويه همام وغيره عن قتادة عن قزعة عن أبى سعيد . ا هـ .

وقال الهيثمى فى المجمع (٤/ ٤) :

رواه البزار ورجاله رجال الصحيح إلا أن البزار قال : أخطأ فيه حبان بن هلال . ا هـ .

وحبان بن هلال (بفتح الحاء) ثقة ثبت متفق عليه لكنه خالف أصحاب همام فجعله من مسند عمر بن الخطاب والصواب أنه من مسند أبى سعيد الخدرى كما تقدم .

وهكذا رواه أصحاب قتادة من وجوه .

* * *

نجز الكتاب بحمد الله تعالى ، وصلى الله وسلم وبارك على سيدنا محمد الفاتح لما أغلق ، والخاتم لما سبق ، ناصر الحق بالحق ، والهادى إلى صراطك المستقيم ، وعلى آله وصحبه فى كل لمحة ونفس بعدد كل معلوم لك .

وكتب

محمود سعيد بن محمد ممدوح

عفا الله عنه

* * *

الموضوع	الصفحة
	٢٣٦_٢٣٩

Marfat.com

تمّ بحمد الله

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے تعلقِ بندگی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تعلقِ غلامی مستحکم بنانے کیلئے امیرِ عالمی دعوتِ اسلامیہ کی دیگر علمی و تحقیقی کتب

۱۔ شاہکارِ ربوبیت
۲۔ ایمان والدین مصطفیٰ
۳۔ حضور کا سفرِ حج
۴۔ امتیازات مصطفیٰ
۵۔ درِ رسول کی حاضری
۶۔ ذخائرِ محمدیہ
۷۔ محفلِ میلاد پر اعتراضات کا علمی محاسبہ
۸۔ فضائل نعلین حضور
۹۔ شرح سلام رضا
۱۰۔ حبیبِ خدا سیدہ آمنہ کی گود میں
۱۱۔ نورِ خدا سیدہ حلیمہ کے گھر
۱۲۔ نماز میں خشوع و خضوع کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟
۱۳۔ حضور نے متعدد نکاح کیوں فرمائے؟
۱۴۔ اسلام اور تحدیدِ ازواج
۱۵۔ اسلام میں چھٹی کا تصور
۱۶۔ مسلک صدیق اکبر۔ عشقِ رسول
۱۷۔ شب قدر اور اس کی فضیلت
۱۸۔ صحابہ اور تصورِ رسول
۱۹۔ مشتاقانِ جمال نبوی کی کیفیات جذب و مستی
۲۰۔ اسلام اور احترام والدین
۲۱۔ حضور رمضان المبارک کیسے گذارتے؟
۲۲۔ صحابہ کی وصیتیں
۲۳۔ رفعتِ ذکرِ نبوی ﷺ
۲۴۔ کیا رسول اللہ نے لوگوں کی اجرت پر بکریاں چرائیں؟
۲۵۔ حضور کی رضاعی مائیں
۲۶۔ ترک روزہ پر شرعی وعیدیں
۲۷۔ عورت کی امامت کا مسئلہ
۲۸۔ عورت کی کتابت کا مسئلہ
۲۹۔ منہاج النحو
۳۰۔ منہاج المنطق
۳۱۔ معارف الاحکام
۳۲۔ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم
۳۳۔ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ششم
۳۴۔ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم
۳۵۔ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم
۳۶۔ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم
۳۷۔ ترجمہ اشعۃ اللمعات جلد ششم
۳۸۔ صحابہ اور محافل نعت
۳۹۔ صحابہ کے معمولات
۴۰۔ خواب کی شرعی حیثیت
۴۱۔ مزاحِ نبوی ﷺ
۴۲۔ تبسم نبوی ﷺ
۴۳۔ گریہ نبوی ﷺ
۴۴۔ مجلسِ نبوی ﷺ
۴۵۔ فضائل و برکات زمزم
۴۶۔ اللہ اللہ حضور ﷺ کی باتیں
۴۷۔ جسم نبوی ﷺ کی خوشبو
۴۸۔ کیا سگِ مدینہ کہلوانا جائز ہے؟
۴۹۔ ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی
۵۰۔ مقصدِ اعتکاف
۵۱۔ سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
۵۲۔ صحابہ اور بوسہ جسم نبوی
۵۳۔ رسول اللہ کے کسی عمل کو ترک فرمانے کی حکمتیں (مسئلہ ترک)
۵۴۔ محبت و اطاعت رسول ﷺ
۵۵۔ آنکھوں میں بس گیا سراپا حضور کا